SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Thursday, February 03, 2005

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at fifty two minutes past four in the evening with Mr. Chairman (Mr .Mohammedmian Soomro) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما ارسلنا من رّسول الاّ لیطاع باذن اللّٰہ (ط) ولوانّھم انظّلموآ
انفسھم جآء وک فاستغفر وااللّٰہ واستغفر لھم الرّسول لوجدوا اللّٰہ
توّابا رّحیماً O فلاوربّک لایومنون حتیٰ یحکّموک فیما شجربینھم
ثمّ لا یجدوافیِ انفسہم حرجاً ممّا قضیت و یسلّمواتسلیماً O

(ترجمہ) اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان
کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر
بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول خدا(
صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتے تو خدا کو معاف

اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔ (سورۃ نساء آیات ۶۴ تا ۶۵)

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ We will take up the leave applications. محترمہ فوزیہ فخر الزمان خان نے اپنے والد صاحب کی وفات کے باعث مورخہ 2 اور 3 فروری کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت کی درخواست منظور کی جاتی ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: محترمہ بی بی یاسمین شاہ نے قریبی عزیز کی وفات کے باعث مورخہ 3 اور 4 فروری کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت کی درخواست منظور کی جاتی ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بلیدی نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ 3 اور 4 فروری کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت کی درخواست منظور کی جاتی ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: جناب امان اللہ کنرانی نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ 3 تا 7 فروری کے لیے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا رخصت کی درخواست منظور کی جاتی ہے؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین: محترمہ انیسہ زیب طاہر خیلی نے اطلاع دی ہے کہ وہ بعض مصروفیات کی بنا پر مورخہ 3 اور 4 فروری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گی۔ جناب بابر خان

مصروفیات کی بنا پر مورخہ 3 اور 4 فروری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گی۔ جناب بابر خان غوری نے اطلاع دی ہے کہ وہ سرکاری دورے پر کراچی میں ہیں اس لیے مورخہ 3 اور 4 فروری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔

We may now take up item No. 2 regarding further discussion on the Balochistan situation. First speaker will be Mr. Mohim Khan Baloch. I would request the honourable members to please keep their speeches with substance and to the point so that more and more colleagues can speak. Thank you.

وقت جو ہے دس منٹ ہے۔ کوشش یہی کریں کیونکہ جب زیادہ بولتے ہیں تو دوسرے لوگ رہ جائیں گے اور repetition کو avoid کریں۔

سینیٹر مہیم خان بلوچ، جناب چیئرمین! میں تو ایک پارٹی کا سربراہ ہوں۔ پارلیمانی لیڈر ہوں۔

جناب چیئرمین، آپ شروع تو کریں۔

سینیٹر مہیم خان بلوچ، کل تو میرے خیال میں جن دوستوں نے جتنا بولنا چاہا انہوں نے بولا اور آپ نے منع نہیں کیا۔

جناب چیئرمین، اسی لیے لوگوں نے کہا کہ باتیں repeat ہونے لگی ہیں۔ بہرحال میں نے تو آپ کو ایک guide line دی ہے۔ آپ شروع تو کریں۔

FURTHER DISCUSSION ON BALOCHISTAN SITUATION

سینیٹر مہیم خان بلوچ، جناب چیئرمین! کل سے اس صوبے کے سیاسی حالات پر بحث ہو رہی ہے جو اس federation میں سب سے چھوٹا اور پسماندہ صوبہ ہے------

جناب چیئرمین، میرے خیال میں زمین کے حساب سے بڑا ہے' population کے حساب سے کم ہے۔

سینیٹر مہیم خان بلوچ، آپ کی یہ بات درست ہے۔ ہم تو ذہنی طور پر بلوچستان کی

سرزمین پر جب نظر ڈالتے ہیں تو بلوچستان قدرتی وسائل سے، اپنی جغرافیائی حوالے سے، اپنے سیاسی حوالے سے، اپنے سیاسی شعور کے حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کا سب سے بڑا صوبہ، سب سے امیر صوبہ، اس ملک کی سیاسی جدوجہد کے حوالے سے سب سے آگے اور پیش پیش یہ صوبہ رہا ہے۔ دنیا میں 9/11 کے بعد جو ایک تبدیلی آئی ہے، اس ملک کی مجموعی سیاسی صورت حال میں جو تبدیلی آئی ہے، اس ملک کی سیاست میں جو تبدیلی آئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس تناظر میں بلوچستان کا مسئلہ، بلوچستان کے عوام کی مشکلات اور ان کے ساتھ جو زیادتی ہو رہی ہے اس لحاظ سے اور اس ملک میں سیاسی اور جمہوری جدوجہد کے حوالے سے آج بلوچستان کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس اہم مسئلے کو عام حالات، یا عام تناظر میں لینا ہمارے تمام سیاسی دوستوں کے لئے اچھی بات نہیں ہے۔ اس کو ہم ایک اہم issue سمجھیں۔

جناب چیئرمین! بلوچستان نے ہر وقت مسائل کو محسوس کیا ہے اور اس ملک کی سیاسی اور جمہوری جدوجہد میں پیش پیش رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں شروع سے لے کر آج تک ہمارے اوپر ایک مرکزیت موجود رہی ہے۔ اس مرکزیت کے بارے میں ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی خاص دور میں رہی ہے بلکہ یہ continuously ہے۔ چاہے ہماری منتخب حکومتیں رہی ہیں یا غیر سیاسی، غیر جمہوری، غیر منتخب تسلط رہا ہے۔ تمام اختیارات چاہے وہ انتظامی ہوں یا مالیاتی ہوں، وہ بدستور اب تک اسلام آباد میں مرکز کے ہاتھوں میں رہے ہیں۔ گو کہ آج کا جو بے وزن، بے صحت آئین ہے، اس کا کوئی وزن نہیں ہے، کوئی صحت نہیں ہے اس کے باوجود اس کے تحت یہ ملک ایک فیڈریشن ہے، اس میں چار اکائیاں ہیں اور ان چار اکائیوں میں آج کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔ چاروں اکائیوں اور مرکز میں آج کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔ جب اکائیوں کے درمیان، اکائیوں اور مرکز کے درمیان کوئی ہم آہنگی نہیں رہے گی تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں قومی ہم آہنگی، قومی یکجہتی اور قومی اخوت نہیں ہوگی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہاں پر قومی اخوت موجود ہے۔ یہاں پر آج تو قومی consensus بھی نہیں ہے۔ اسی لئے بلوچستان نے اس ملک کے اندر آبادی کے تناسب سے ایک چھوٹا صوبہ ہونے کے ناتے سے جمہوریت اور جمہوری اداروں کی کمی کو محسوس کیا ہے۔ اس احساس کے تناظر میں وہ اس ملک کی سیاسی جدوجہد میں ہمیشہ آگے آگے رہا ہے۔

ایک صوبہ ہوا۔ اس سے پہلے اس ملک کے چار صوبے نہیں تھے۔ اس سے پہلے صرف مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان تھا۔ مغربی پاکستان میں بلوچستان وفاق کے اندر تھا۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی، صوبائی حیثیت نہیں تھی۔ صوبائی حیثیت اس کو 1973 میں ملی۔ 1970 میں الیکشن ہوا، مجموعی طور پر مشرقی پاکستان اس وقت اس ملک کی کل آبادی کا 56% تھا اور وہاں پر مجیب الرحمٰن کی پارٹی نے unanimously سوائے ایک سیٹ کے باقی تمام سیٹیں جیت لیں۔ ہمارے موجودہ ملک کے اندر مختلف پارٹیوں نے اپنی بساط کے مطابق اپنے علاقوں میں سیٹیں لیں۔ لیکن افسوس! اس ملک کی مرکزیت جو آج بھی موجود ہے، اس وقت بھی مرکزی حکومت نے اپنی مرکزیت کو قائم رکھا کہ ملک کی چھپن فیصد آبادی کی سیٹیں جو اس وقت کی پارٹی نے unanimously جیت لی تھی اس وقت کی حکومت نے انہیں حکومت دینے سے انکار کر دیا۔ انکار نہیں کیا بلکہ طاقت کے زور پر ایک فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش کی کہ یہاں پر جو فیصلہ ہوگا وہ تمہیں ماننا پڑے گا لیکن بنگال کے عوام نے کہا کہ ہم اپنے ووٹ کا احترام کریں گے۔ انہوں نے اپنے ووٹ کا احترام کیا، ووٹ کا دفاع کیا۔ اور ہماری اس وقت جو حکومت تھی اس نے آرمی کے حوالے سے انہیں دبانے کی کوشش کی اور وہ فیل ہوئے۔ اس کا کیا انجام ہوا؛ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت ہمارے دشمن جن کے ساتھ آج کل ہم دوستی کی طرف جا رہے ہیں، بہت اچھی بات ہے، اس وقت دشمنی کا ایک بہت بڑا نعرہ تھا، اس کی آرمی نے آکر ہماری آرمی کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ کیوں مجبور کیا؛ 1965 میں بھی جنگ ہوئی تھی لیکن آرمی نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ ملک کا دفاع کیا۔ اس وقت ہماری آرمی نے ہتھیار کیوں ڈالے؛ وہ ہتھیار اس لئے ڈالے کہ عوام نے آرمی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب اپنے ملک کے عوام آرمی کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو ظاہری بات ہے کہ آرمی اکیلی نہیں لڑ سکتی۔ اس کے بعد باقی ہمارا ملک، ہماری تمام سیاسی پارٹیاں بیٹھیں اور ایک قومی consensus پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ جو ہوا، سو ہوا، اب باقی ملک کو سنبھالنا ہے اس میں ہمارا مستقبل ہے۔ اس قومی consensus میں تاریخ گواہ ہے، اس وقت کے سیاسی حالات گواہ ہیں کہ NAP نے قومی consensus میں اور 1973 کا آئین بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس لیے کہ NAP کی جو پالیسی تھی، جو اس کی سیاست تھی، باوجود کہ 1973 کا جو آئین بنا اس کے متن میں ہماری سیاست کی ترجمانی نہیں ہے لیکن

اس کے باوجود قومی consensus کی خاطر آنکھیں بند کر کے سرحد اور بلوچستان کی NAP کی قیادت نے مجموعی طور پر اپنے دوستوں کو منوا کے 1973ء کے آئین پر دستخط کر دیے۔ ایک بات اس وقت بھی ہمارے NAP کے دوستوں نے کہی تھی کہ مرکز کی مرکزیت کو ہم نے ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے لیکن حالات ایسے تھے، آٹھ مہینے بلوچستان کی حکومت رہی، آٹھ مہینے کے بعد اسی قومی consensus کی قربانی دیکر 1973ء کا آئین بنا کے، 1973ء کے آئین کی موجودگی میں NAP کی بلوچستان کی حکومت کو ختم کیا۔ پھر بلوچستان اور سرحد میں ایک لہر اٹھی کہ ہم نے کہا تھا کہ جب اسلام آباد کی مرکزیت میں اکثریت کا احترام نہیں ہے تو ہم چھوٹے صوبے ہیں اور آج ہمارے اوپر وہی چیز ہوئی۔جب آواز اٹھی کہ ایسا کیوں ہے جب آئین موجود ہے، قومیں موجود ہیں تو کس خوشی میں اس حکومت کو ختم کیا گیا ہے۔ جب آواز اٹھی تو ہم پر فوج کشی کی گئی۔

آج میں بتاؤں کہ اس وقت ایسا منتخب حکومت کے دور میں ہوا لیکن چند مہینے کے بعد اس وقت کی فوجی قیادت، جنرل ٹکا خان نے اس وقت کی منتخب حکومت سے کہا کہ ہمارے دو نوجوان مارے گئے ہیں۔ اب بلوچستان کا معاملہ ہے، ہم اس کو خود نمٹائیں گے۔ آپ کی دخل اندازی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت کی منتخب حکومت کو ٹکا خان نے by pass کیا اور یہاں تک بھی کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت بلوچستان کے عوام کی ضرورت نہیں ہے، ہمیں بلوچستان کی سرزمین کی ضرورت ہے۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قومی consensus ہم کرتے ہیں، قربانیاں بھی دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں سزا ملتی ہے۔یہ وہی آواز چلتے چلتے آج پھر اس دور میں ایک سیاسی ماحول پیدا ہوا۔ سیاسی ماحول کے بعد ایک اور ماحول پیدا ہوا اور یہاں اسلام آباد میں ہمارے پارلیمنٹ میں چوہدری شجاعت صاحب کی قیادت نے محسوس کیا کہ یقینی طور پر بلوچستان میں ایک احساس محرومی اور محکومی پایا جاتا ہے جو گزشتہ ماضی کا تسلسل ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔انہوں نے محسوس کیا اور یہاں آکر چوہدری شجاعت صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ بلوچستان میں زیادتیاں بھی ہو رہی ہیں اور وہاں سیاسی issue ہے، آج کے نہیں ہیں پہلے کے ہیں۔ انہوں نے یہاں ایوان کے اندر بحیثیت وزیر اعظم یہ تجویز دی کہ بلوچستان کے مسئلے کے

لیے کمیٹی بننی چاہیے۔ سیاسی مسئلہ ہے یہ سیاسی طور پر حل ہونا چاہیے اور یہاں اس کا اعلان ہوا اور اس تسلسل میں پھر انہوں نے پارلیمنٹ کی مشترکہ کمیٹی بنانے کی کوشش کی اور مشترکہ کمیٹی بن گئی اور ان کے اس اقدام کو پورے پاکستان اور بلوچستان نے خصوصی طور پر اس کو سراہا کہ یہ پہلی بار ہے کہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے ایک political بندے نے بلوچستان کے سیاسی حالات اور معروضات کو سمجھتے ہوئے یہ محسوس کیا اور منتخب پارلیمنٹ کی مشترکہ کمیٹی بنائی۔ ہمیں یقین ہے یہ کمیٹی بلوچستان کے احساس محرومی اور احساس محکومی کو دور کرے گی۔

یہ عمل چلتا رہا۔ کمیٹی کی meeting ہوئی، کمیٹی دو کمیٹیوں میں تقسیم ہوئی ایک current situation کے حوالے سے اور ایک صوبائی autonomy کے حوالے سے۔ ظاہری بات ہے autonomy سب سے اہم ہے۔ مسئلے تو ہوتے ہیں، تھوڑے تھوڑے حل ہوتے ہیں، تھوڑے تھوڑے ابھرتے ہیں لیکن بنیادی مسائل کا حل autonomy ہے۔ یہ چلتا رہا چلتا رہا اور کسی کو کوئی خبر نہیں تھی ۔ ہم نے سنا کہ فوجی آپریشن یا فوجی مہم کا فیصلہ ہوا ہے اور ہمارے سننے اور دیکھنے میں آیا کہ چوبیس گھنٹے میں ایک division فوج کو وہاں کی مقامی transport کو استعمال کرکے، بسوں ، coasters, mini buses کے ذریعے سوئی کے مقام پر تعینات کیا گیا ہے۔ جب یہ خبر بلوچستان میں پھیلی تو یقینی طور پر بلوچستان کے لوگوں نے محسوس کیا کہ جو کچھ ایوب خان کے دور میں ہوا ہے، جو 77-1974 تک ہوا ہے، وہ سلسلہ پھر ہم پر مسلط ہونے جا رہا ہے کیونکہ پہلے سے لوگوں کے دلوں میں ایک رنج تھا، ایک مایوسی تھی اور ایک محرومی تھی کہ ہمارے حق دینے کی بجائے، ہمارے مسائل سننے کی بجائے، ہماری باتوں کو سننے کی بجائے ہمارے وسائل پر ہمارا حق تسلیم کرنے اور ہمارا حق دینے کی بجائے ہم پر ہمیشہ فوج کشی ہوتی ہے۔ اس سے ایک بہت سخت قسم کی لہر اٹھی ہے اور یہ لہر آج موجود ہے اور یہ لہر اس وقت تک موجود رہے گی جب تک اس مسئلہ کو پوری طرح سیاسی طور پر حل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک وہاں فوج رہے گی ، محرومی، محکومی اور لوگوں کے دلوں میں جو رنج ہے، وہ یقینی طور پر کم ہونے کی بجائے زیادہ ہوگا۔ اب تک جو گزارشات میں نے آپ دوستوں کی خدمت میں ایوان میں پیش کی ہیں، ان کے حوالے سے میں کھلے دل اور وثوق سے کہتا ہوں کہ اس وقت بلوچستان دفاعی position میں چلا گیا ہے، بلوچستان مزید محرومی کی طرف چلا گیا ہے

اور محکومی کی طرف چلا گیا ہے۔ اب بلوچستان کے لئے کچھ نہیں ہے۔ وہ اس لئے کہ بلوچستان کے عوام یہ نہیں چاہتے۔ جناب والا! ہم یہ نہیں کہتے کہ سردار ہوں۔ ہم تو سرداری نظام کے حق میں نہیں ہیں۔ ہم قبائلی culture کے حق میں نہیں ہیں لیکن اس وقت وہاں جو situation ہے، جو وہاں ایک یلغار ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس یلغار میں ایک دہقان، ایک چرواہا اور ایک بڑا آدمی یعنی سب کے سب اس کی لپیٹ میں آ رہے ہیں۔ اس لپیٹ کو ہم پورے بلوچستان کے عوام اور بالخصوص بلوچوں کے خلاف مستقبل کے حوالے سے ایک ایسی یلغار سمجھتے ہیں کہ جسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے ہمارے مکمل طور پر سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق متاثر ہو رہے ہیں جن پر ہمارا حق بنتا ہے۔ یہ ایک اکائی کی حیثیت ہم سے ہمیشہ کے لئے چھیننے کی ایک سازش ہے۔ یقینی طور پر اس وقت بلوچستان میں جو ایک سلسلہ جاری ہے، اسے بلوچستان کے بلوچ اور اس میں رہنے والے تمام لوگ پسند نہیں کرتے۔ یہ صرف میں ہی نہیں کہتا بلکہ وہاں بسنے والے ہمارے پشتون، ہمارے settlers، ہمارے ہزارہ قبائل کے لوگ اور بلوچ سب یہی سمجھتے ہیں کہ یہ اس Federation کے اندر ہمارے حقوق پر ایک قدغن لگانے کا ایک طرفہ فیصلہ ہے۔ جب کوئی قوم، کوئی فرد، کوئی community یا کوئی صوبہ ایک دفاعی position میں چلا جاتا ہے یا محرومی میں چلا جاتا ہے تو یقینی طور پر پھر وہ اپنے دفاع کے لئے سوچتا ہے کہ میں اب کیا کروں۔

میں آپ کی خدمت میں مثال پیش کرتا ہوں کہ دفاع کے حوالے سے ہمارے اپنے ملک میں کیا ہوا ہے۔ یہاں ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ 9/11 کے بعد ہمارے ملک میں ایک بڑی تبدیلی آئی ہے۔ ہمارا ملک ایک دفاعی position میں چلا گیا ہے اور اس دفاعی position میں ہماری موجودہ گورنمنٹ نے اس وقت بھی اور آج بھی اپنے ماضی کے حوالے سے جو افغانستان میں ہماری بیس سالہ پالیسی تھی، اسے یک طرفہ تبدیل کر دیا گیا۔ ظاہر بات ہے کہ پہلے بیس سال ہماری اور پالیسی تھی اور اب بیس سال کے بعد ایک ہی رات میں پالیسی تبدیل ہوئی اور اپنے دفاع کے حوالے سے اس ملک کو بچانے کی خاطر اور اس حکومت کو بچانے کی خاطر انہوں نے یہ اقدامات اٹھائے۔ پاکستان کی سرزمین، بلوچستان کی سرزمین استعمال کرنے کے لئے دی۔ سمندر استعمال کرنے کے لئے دیا۔ فضا استعمال کرنے کے لئے دی اور ان کے کندھے پر بندوق رکھ کر غریب کو مارنے کا حق دیا۔

جناب والا! دوسری بات یہ ہے کہ ہماری بھارت کے ساتھ تین بڑی جنگیں ہوئی ہیں۔ ہماری ان کے ساتھ بہت بڑی دشمنی تھی اور جب ہم دفاعی position میں چلے گئے تو وہ تین جنگیں ہم بھول گئے۔ ہم دشمنی بھی بھول گئے اور ہم بھارت کے ساتھ آگرہ کے مذاکرات بھی بھول گئے ہیں اور ہم نے ان کو کہا کہ آؤ ہم اور آپ بھائی بھائی بنتے ہیں اور آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ نیا باب ہمارے سامنے آیا ہے کہ سارک ممارک کی کانفرنس جو 5 فروری کو ہونی تھی، وہ ناکام ہوگئی ہے۔ اب درمیان میں ہمارے لئے یہ بھی ایک دفاعی مسئلہ ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں اور یہ کھل کر کہتا ہوں کہ ہمارے لئے دفاعی حوالے سے کشمیر یقینی طور پر ایک مسئلہ ہے۔ ہماری گورنمنٹ کا ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ پاکستان کے عوام کے لئے دلوں میں ان کے لئے امنگیں ہیں۔ وہاں کے عوام جو اپنے لئے قومی حق خودارادی کے لئے لڑ رہے ہیں، ہمیں اس پر خوشی ہے۔ ہم ان کا ساتھ دے رہے ہیں لیکن افسوس کہ اتنے سال ہمارے ہاں کی حکومتیں ان کو برملا support کرتی تھیں اور ہم دفاعی پوزیشن میں ہونے کے باوجود آج ہم در اندازی کی خدمت انجام دے رہے ہیں، تو میں سمجھتا ہوں جب ایک ملک اور قوم دفاعی پوزیشن میں چلا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں کو خوش کرنا ہے فلاں سے دشمنی ہے اس کو دوستی میں بدلنا ہے، فلاں کے ہم فرنٹ پر ہیں ہم اب فرنٹ پر نہیں آئیں گے۔دفاعی پوزیشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بلوچستان کے عوام جو ہیں to be very frank وہ دفاعی پوزیشن میں ہیں ۔ آج بلوچستان کے عوام کی دفاعی پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے ان کی چار توقعات ہیں۔سب سے پہلے میں اس ایوان میں برملا کہتا ہوں کہ خدارا! بلوچستان کے عوام دفاعی پوزیشن میں چلے گئے ہیں ان کو اکیلا نہ چھوڑیں کہ وہ اپنے دفاع کا کہیں اور سوچیں، کہیں اور سے سہارا لیں ، کہیں اور shelter لیں ۔ یہ ایوان اس ملک کی چاروں اکائیوں کی برابری کی بنیاد پر نمائندگی کرتا ہے اور اس میں پورے ملک کی نمائندگی ہے میں اس ایوان سے کہتا ہوں کہ خدارا ! ہمارا ایک تسلسل اور سلسلہ جو بلوچستان میں موجود ہے ۔اس کو stop کر دیں۔اس کو politicize کر دیں ۔ اس کو normalize کر دیں اور اپنی حکومت سے کہتا ہوں، اپنے Treasury Benches سے کہتا ہوں، اس کے بعد میں حزب اختلاف سے اپیل کرتا ہوں کہ بلوچستان کے عوام کا ساتھ دو ، اپنی گورنمنٹ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ نے جو پالیسی بنائی ہے اس پر نظرثانی کریں اور فوج کو واپس بلائیں ۔ جہاں تک

سوئی کا معاملہ ہے وہاں اس کی تنصیبات ہیں۔ میں آج ایوان کو بتاؤں کہ پہلے سے وہاں ۵۲۰ افراد کا DSG موجود تھا۔ ڈیفنس سروس گارڈ' وہ بھی سب ہمارے آرمی کے ہیں۔ ان میں چار پانچ کمان ہیں جن میں کرنل ہے میجر ہے اور کیپٹن ہے۔ وہ پہلے سے موجود ہیں تو اس کو اسی حد تک محدود رکھیں جب عوام میں کوئی چپقلش نہیں ہے۔جب عوام خوش ہیں وہاں کے لوگ خوش ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ املاک کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔جب آپ وہاں کے عوام کا حق تسلیم کریں گے ان کو ان کا حق دیں تو وہ خود اس کی حفاظت کریں گے۔تو اس لیے میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے جو یہاں کے منتخب نمائندے ہیں ان سے میں کہتا ہوں کہ بلوچستان کی دفاعی پوزیشن میں اکیلا نہ چھوڑیں ' آپ ساتھ دیں ' گورنمنٹ پر پریشر ڈالیں کہ اپنے فیصلے پر نظرثانی کرکے فوج کو باعزت اپنی بیرکوں میں بھیج دے اور پولیٹیکل قیادت جس میں ہمارے چوہدری شجاعت صاحب پیش پیش ہیں ان پر چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ یقینی طور پر چوہدری شجاعت سے بھی کہتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو اس میں اکیلا نہ کریں آپ treasury سے اور دوست لے لیں حزب اختلاف سے لے لیں ۔ ایک پوری ٹیم لیکر وہاں کی سیاسی قیادت کے ساتھ بیٹھیں اور قیادت کے ساتھ باضابطہ اور باوقار فیصلہ کریں۔تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد میں پورے پاکستان کے عوام سے بالخصوص پنجاب کے عوام سے کہتا ہوں کہ آپ پر بلوچستان کی نظریں ہیں' بلوچستان دفاعی پوزیشن میں ہے۔آپ بھی اس کا ساتھ دیں۔اسی میں ہمارے ملک کی بقا ہے۔ یہی قومی consensus ہے ' اسی میں ہمارے ملک کا تشخص' ترقی اور خوشحالی مضمر ہے ۔ لہذا میں پنجاب کے عوام سے بھی مطالبہ کرتا ہوں اور اپیل کرتا ہوں کہ خدا را ! بلوچستان کے عوام کو اکیلا نہ چھوڑیں۔دفاعی پوزیشن میں نہ چھوڑیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں اگر ہم نے بلوچستان کے عوام کا دفاعی پوزیشن میں ساتھ دیا تو اس کے اچھے نتائج نکلیں گے اور اگر ہم نے ساتھ نہ دیا تو پھر ظاہر بات ہے ہر ایک اپنے حوالے سے اپنا سوچے گا۔ بلوچستان میں مختلف پارٹیاں ہیں۔ یہاں بھی پارٹیاں ہیں ۔ میں ایک پارٹی کے حوالے سے یہاں treasury میں بیٹھا ہوں یہاں اور پارٹیاں حزب اختلاف میں بیٹھی ہیں۔ یہاں بلوچستان میں ایسی نمائندگی ہے جو اس پارلیمنٹ پر یقین نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ اس پارلیمنٹ میں گنجائش ہی نہیں کہ ہم اس کی سیاست ہی نہ کریں۔ وہاں بھی اس قسم کی سیاسی قوتیں ہیں اور بلوچستان میں ایسے لوگ ہیں جو

سیاست ہی نہ کریں۔ وہاں بھی اس قسم کی سیاسی قوتیں ہیں اور بلوچستان میں ایسے لوگ ہیں جو انفرادی سیاست کرتے ہیں تو ایسے حالات میں خاص طور پر جو انفرادی سیاست کرنے والے ہیں جن کا کوئی پلیٹ فارم نہیں جن کی کوئی سیاسی قیادت نہیں ہے اور ایسے حالات میں بلوچستان دفاعی پوزیشن میں ہے تو میں آپ پر یہ بھی واضح کر دوں کہ آپ اس کو نہ بھولیں کہ آج گوادر کا مسئلہ جو ہے پاکستان بھی اس کو محسوس کر رہا ہے اور ہم برملا کہہ رہے ہیں کہ بلوچستان میں گوادر پورٹ بن رہا ہے سب سے پہلا حق وہاں کے مقامی' وہاں کے صوبے کے بلوچوں کا ہے۔ اس گوادر کے حوالے سے یقینی طور پر انٹرنیشنل جو ترجیحات ہیں۔ جس میں سنٹرل ایشیاء اور مشرق وسطیٰ کی جو تجارتی گزرگاہ ہے اس حوالے سے بھی مختلف ممالک اپنی ترجیحات کے حوالے سے ' اپنے قومی مفادات کے حوالے سے گوادر پر نظر رکھے ہوئے ہیں ۔جب وہ گوادر پر نظر رکھے ہوئے ہیں تو وہاں پر اس ملک کی سیاست کو ' بلوچستان کی سیاست کو ہر ملک اپنی ترجیحات اور اپنے مفادات کے حوالے سے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرے گا ۔ اگر یہ ایوان بلوچستان کا ساتھ نہیں دے گا ' پنجاب کے عوام ساتھ نہیں دیں گے اور دوسرے جو وطن دوست ہیں وہ ساتھ نہیں دیں گے تو یقینی طور پر بلوچستان کے لوگ تنہائی میں چلے جائیں گے ۔ایسے بندے جن کی کوئی قیادت نہیں ہے 'جو انفرادی ہیں' جو باہر سے ترجیحات رکھتے ہیں ان کو اپنا بنانے میں آسانی ہے ۔اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہم ان تمام چیزوں کو دیکھیں ۔ سنجیدگی سے دیکھیں مسئلہ اس وقت بہت سنجیدہ ہے ۔اس سنجیدگی کو دور کرنے کے لئے اس ملک میں ایک چیز بہت ضروری ہے ۔ سب سے پہلے میں کھلے دل سے کہتا ہوں کہ یہاں جو ایک مرکزیت موجود ہے اس کلچر کو ڈراپ ہونا چاہیے ۔ مرکزیت نہیں ۔ ملک ' فیڈریشن ' فیڈریشن کے اندر اکائیاں ۔ اکائیوں کو اپنے حوالے سے حکومت چلانے اور اپنے صوبوں کو ترقی دینے کے حوالے سے انتظامی اختیارات اور جو وسائل وہاں ہر صوبے میں ہیں ان وسائل کا مالک اور اسے استعمال کرنے اور اس کو عوام کے لئے استعمال کرنے کے اختیارات ' اس کو ہم کہتے ہیں مکمل صوبائی خود مختاری۔ بات اس پر آتی ہے کہ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا تو ظاہری بات ہے کہ ہمارے جو صوبے اس وقت دفاعی پوزیشن میں ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ پھر ہمارا یہاں کوئی سہارا نہیں ہے ۔ اس کو مکمل آئینی اور قانونی شکل دینے کے لئے حکمت عملی وضع ہو تاکہ ایک مستحکم ریاست بنے اور مستحکم ریاست کے

حوالے سے ہماری معیشت ' ہماری political destability ختم ہو ۔ اس ملک میں ایک اچھا سا سسٹم جس میں مرکزیت اپنی جگہ ' ہماری فیڈریشن کی قومی ہم آہنگی اپنی جگہ اور صوبوں کی آپس میں ہم آہنگی ہو۔جناب والا! اس لئے تمام پارٹیاں جو ہیں ان میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ سب یہی کہہ رہے ہیں تو اس وقت صرف defence, foreign affair, currency ' اور communication ' وہ جو دفاع سے متعلق ہو ' یہ مرکز کے پاس رہیں باقی اختیارات صوبوں کو دے دیں۔ جناب والا ! اسی لئے میں آخر میں کہتا ہوں کہ بلوچستان میں گیس کا NFC کے حوالے سے جو اس کا formula ہے وہ ناقص ہے ' ناکارہ ہے ' unmathematical ہے' غیر اصولی ہے ۔ ظاہری بات ہے جب گیس کے حوالے سے موجودہ NFC Award سے بلوچستان مطمئن نہیں ہے تو جو ایک بہت بڑا پروجیکٹ گوادر کا بن رہا ہے ' جو بلوچستان کے عوام کا مستقبل ہے ' ظاہری بات ہے عوام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں کہ اس سے ہماری پسماندگی اور غربت ختم ہوگی ۔اگر ہم یہاں سے محروم ہیں ' یہاں سے مایوس ہیں اور یہاں سے مطمئن نہیں ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ پھر گوادر میں بھی ہمیں by pass کرنے کی طرف ایک ریلہ جا رہا ہے ۔ ظاہر ہے بلوچستان کے عوام اپنے حق کے حوالے سے ' اپنی شہریت کے حوالے سے ' اپنے مالی حق کے حوالے سے سوچنے پر مجبور ہیں ۔ اس طرح سے جیسے گیس بے تحاشا کروڑوں کے حساب سے استعمال ہوئی اور آج تک بلوچستان کے عوام اس کی آمدنی اور استعمال سے محروم ہیں ' میں ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے سمجھتا ہوں کہ پورے بلوچستان کے عوام یہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح گیس کو ہم سے چھین کر استعمال کیا گیا ہم گوادر کو اس طرح استعمال نہیں ہونے دیں گے۔

جناب والا! جہاں تک اس کیس کا تعلق ہے ہیں اس کو اتنا highlight نہیں کروں گا ۔ ہماری بہن کے ساتھ وہاں ناانصافی ہوئی ' اس بہن کا بھی ہمارے بلوچستان سے تعلق نہیں ہے ۔ جنہوں نے زیادتی کی ان کا بھی بلوچستان سے تعلق نہیں ہے لیکن غلط کام کوئی بھی کرے ' جس صوبے میں ہو ' جو بھی ہو ' بلوچ ہو ' سندھی ہو ' پنجابی ہو ' پشتون ہو ' غلط کام غلط ہے ۔ غلط کام کے خلاف جہاں سے بھی آواز اٹھے گی ہم اس کا ساتھ دیں گے ۔ یقینی طور پر پنجاب کے اندر بھی غریبوں کے ساتھ بہت سی زیادتیاں ہو رہی ہیں ۔ ہم کھلے دل سے کہتے ہیں

کہ زیادتیاں ختم ہونی چاہئیں ۔ ان تمام زیادتیوں کی وجہ اس ملک میں rule of law کی بات ہے۔ قانون کی حکمرانی کی ضرورت ہے ، قانون کی بالادستی کی ضرورت ہے ، قانون کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی اس وقت ہوگی جب ہم جمہوریت اور جمہوری اداروں کو یہاں پروان چڑھنے دیں گے ۔ ہماری یہ مرکزیت جو غیر سیاسی ، غیرجمہوری ہے ، غیرمنتخب نظام تسلسل سے ہمارے اوپر ہے۔ جسے ہم محسوس کر رہے ہیں اس کا ختم ہونا ضروری ہے ۔ انہی الفاظ کے ساتھ میں آپ کا اور تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: جناب رحمت اللہ کاکڑ صاحب۔

سینیٹر رحمت اللہ کاکڑ (ایڈوکیٹ): بسم اللہ الرحمن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ (عربی) انصاف کیجیئے کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے(القران)۔ آج بلوچستان چیخ رہا ہے' بلوچستان کو پاکستان سے کیوں الگ سمجھا جا رہا ہے۔ فوجی آپریشن کی باتیں ہو رہی ہیں۔ بظاہر تو اس کے denial کی خبریں آ رہی ہیں بلکہ Treasury Benches کی طرف سے یا ارباب اختیار کی طرف سے یہ برملا کہا جا رہاہے کہ کوئی فوجی آپریشن نہیں ہو رہا' خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ بلوچستان کی بڑی fertile سرزمین ہے۔ 58ء میں فوجی آپریشن ہوا' 74ء میں یہ گُر استعمال کیا گیا اور اب 2005ء میں شاید یہ بارپھر پہنائے جائیں۔ حکومت وقت کے ایک سیاسی مبصر مولانا مفتی محمود کے دست راست ولی خان صاحب اکثر سیاسی جلسے میں ایک مثال پیش کرتے تھے کہ ایک شخص گدھے پر چوڑیاں لاد رہا تھا' کسی نے ڈنڈا مار کر پوچھا کہ خان صاحب کیا لاد کر لیجا رہے ہو تو اس نے کہا کہ ایک ڈنڈا اور مار کر دیکھو تو سمجھ لو کہ کچھ نہیں لاد کر لیجا رہا۔ East Pakistan میں ایک فوجی آپریشن ہوا تو نقشہ ہی بدل گیا' پورے نقشے سے East Pakistan غائب ہوا۔ اب بنگلہ دیش ہے۔

بلوچستان کے issue پر آج جو بحث ہو رہی ہے اور ہمارے معزز ساتھی اپنی اپنی جماعتوں کے موقف کو اجاگر کر رہے ہیں۔ بلوچستان پاکستان کا ایک اہم federating unit ہے ' اس کے مسائل سے بری الذمہ مرکزی حکومت ہے اور نہ وہاں کے وہ لوگ جن کے خود پیدا کردہ مسائل ہیں۔ میں اس سے پہلے بھی اس معزز ہاؤس کے floor پر گزارش کر چکا ہوں کہ

سب ٹھیک ہے' کی جا رہی ہے۔ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ بیگناہ لوگ شہید ہو رہے ہیں' فوجی جوان شہید ہو رہے ہیں' املاک تباہ ہو رہی ہیں۔ دیکھ لیجیے کہ اس سردی میں پورے پاکستان میں گیس کی لوڈشیڈنگ کرنی پڑی ہے' بجلی کے ٹاور گرائے گئے اور اب یہ statement آ رہی ہے کہ شاید ہم ایک ہفتے تک بجلی بحال نہ کر سکیں۔ کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

آج Treasury Benches کی طرف سے مہیم خان صاحب کے blood pressure کا ہمیں بھی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ بلوچستان کے مسائل ہم سب کے مشترکہ مسائل ہیں' یہ اس پورے ملک کے مسائل ہیں' ہمارے چاروں صوبوں کے مسائل ہیں' ہمارا جینا مرنا ایک ہے' ایک دوسرے سے قطعی لاتعلق تھے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ میں ان دوستوں سے اختلاف کروں گا جو بلوچستان کے مسائل کو صرف اپنی حد تک محدود رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ مسائل آج کے دور کے نہیں' اس کی آئینی تاریخ ہے' سیاسی محرومیوں کی تاریخ ہے۔ ہمارے بلوچستان کے لیڈروں کو پھانسیوں پر چڑھایا گیا' پابند سلاسل رکھا گیا' ہمارے جو دوسرے national leaders تھے ان کے ساتھ یہی سلوک رکھا گیا۔ اس اسلام آباد کے پارلیمنٹ ہاؤس۔ ان کو داڑھیوں سے پکڑ پکڑ کے' ان کو ٹانگوں سے کھینچ کھینچ کے گھسیٹا گیا' ان کی قربانیوں کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ان سب محرومیوں کی تلافی غریب عوام کے جان اور مال سے ادا کی جا رہی ہے۔ National Exchequer کو نقصان پہنچ رہا ہے' industries تباہ ہو رہی ہیں' foreign investment کے رستے بند ہو رہے ہیں اور international level پر بدنامی اور رسوائی کا منظر جناب چیئرمین صاحب' آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جب ایک official delegation میں ہم China میں تھے۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کیوں اپنے بیگانے ہونے لگے ہیں' کیوں بیگانوں جیسی باتیں کرنے لگے ہیں' ان کے ساتھ کیا ایسا ہوا ہے' ان کی باتوں کو کیوں نہیں سنا جا رہا ہے؟ کیا احساس محرومی یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اب اس House کے floor پر ملک کو توڑنے کی باتیں ہو رہی ہیں' یہ اچھے شگون نہیں ہیں۔ صرف پنجاب کو ان مسائل کا ذمہ دار ٹھہرانا مناسب نہیں ہے۔ عام پنجابی' عام سندھی' عام پٹھان' عام بلوچ اس وقت بھی کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہے' اس وقت بھی ایک عام پاکستانی دیہاتوں میں اس کچے تالاب کا پانی پی رہا ہے جس سے کتے اور بلیاں پی رہے ہیں۔ اس ملک میں کوئی انقلاب نہیں آیا ہے' کچھ نہیں ہوا ہے۔ 55 سال سے مختلف مقتدر قوتیں اس ملک

کو لوٹتی رہی ہیں۔ یہ خبر نہیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے کی reporting پر ارباب اقتدار اور ارباب اختیار کس حد تک ایک سوچ رکھتے ہیں۔ میں جنرل صاحب سے کھلے لفظوں میں عرض کروں گا، Prime Minister صاحب، چوہدری شجاعت صاحب سے اور ہمارے دیگر قومی ادارے جو درپردہ اس ملک کو چلانے میں برابر کے ذمہ دار ہیں کہ وہ حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کو اعتماد میں لیں۔ ان کے سامنے پوری picture, crystal- clear رکھی جائے۔ direct اسلام آباد کا رابطہ کچھ سیاسی زعما کے ساتھ یہ اب چھوڑ دینا چاہیے، secret چیزیں open ہونی چاہییں۔ اگر کسی کے grievances ہیں، اس کی redressal ہونی چاہیے۔ جس کا حق ہے جو آئینی حق ہے، وہ اس کو ملنا چاہیے جس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اس کا ازالہ ہونا چاہیے۔

بلوچستان کے مسائل کو بلکہ پورے ملک میں جہاں، جہاں مسائل ہیں، میں اپنے آپ کو صرف بلوچستان تک محدود نہیں رکھوں گا۔ اگر آج اسلام آباد میں---لاہور میں ایک دفعہ بندوق کی نالی استعمال کی گئی پندرہ، سولہ ہزار ختم نبوت کے پروانے شہید ہوئے، اس سے مسئلہ حل نہیں ہوا۔ آئینی طریقے سے حل ہوا جب ایک منتخب اسمبلی بیٹھی تھی اور ہمیشہ کے لئے ختم نبوت کا مسئلہ حل ہوا۔ خدا کرے کہ اس میں پھر رخنہ اندازی کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، وہ ناکام ہوں۔ مذہب کے نام پر، زبان کے نام پر دیگر حربوں کے ذریعے سے جو exploitation ہو رہی ہے، اس کا سدباب ہونا چاہیے اور معاملات کی تہہ تک پہنچنا چاہیے۔ صوبوں کے حوالے سے جو آئینی کمیٹی بنی ہے، اس میں MMA اپنی proposals دے چکی ہے کہ صوبائی خودمختاری پر کوئی compromise نہیں ہے بلکہ تمام صوبے اس پر متفق ہیں کہ صوبائی خودمختاری ملنی چاہیے۔ دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کا وہ حصہ جس پر ہم سب متفق ہیں، اس پر عملدر آمد کو یقینی بنایا جائے۔ باقی تمام چیزیں صوبوں کے حوالے کی جائیں۔ مرکز البتہ اپنا حصہ بقدر ضرورت صوبوں سے لے سکتا ہے۔ پوری دنیا میں decentralization of power ہو رہی ہے۔

Mr. Chairman: Please hear the honourable speaker.

سینیٹر رحمت اللہ کاکڑ ایڈوکیٹ، جناب! سرکار کو گپ کرنے دیں۔

جناب چیئرمین، نہیں نہیں۔ مہربانی کر کے کاکڑ صاحب کو سنیئے۔

سینیٹر رحمت اللہ کاکڑ ایڈوکیٹ، کاکڑ صاحب نے کل اس House کے floor پر ایک بات کی تھی پھر خود تشریف لے گئے تھے۔ اگر وہ ریکارڈ پر ہے تو میری گزارش ہے کہ اس کو ریکارڈ سے حذف کیا جائے۔ کاکڑ صاحب نے یہاں تک فرمایا کہ علماء نے اسلام کے نام پر ووٹ لیا اور عوام کو دھوکہ دیا۔ اگر یہ ریت نہ بدلی تو پھر ہم بھی کھلی کتاب اس ایوان میں پیش کریں گے۔ یہ ہماری ان کو پہلی ***** ہے۔ Thank you very much.

Mr. Chairman: Mrs. Gulshan Saeed.

(مداخلت)

جناب چیئرمین، ایک ممبر یہاں سے بولے گا اور دوسرا وہاں سے بولے گا۔ مجھے جو list دی گئی تھی میں اسی حساب سے جا رہا ہوں۔ آپ لوگ آپس میں coordinate نہیں کرتے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی (وفاقی وزیر پارلیمانی امور)، جناب چیئرمین! **** جو دی ہے۔ **** is never given on the floor of the House.

Mr. Chairman: The ***** should be expunged from the record. Gulshan Saeed sahiba.

سینیٹر گلشن سعید، جناب چیئرمین! شکریہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

جناب چیئرمین! اس وقت بلوچستان کی جو حالت بیان کی جا رہی ہے۔ اس سے ایسے لگتا ہے کہ ہمارے اس صوبے میں کوئی جنگ لگی ہوئی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر بندہ اس طرح بات کر رہا ہے جیسا کہ یہاں سے فوجیں وہاں پر گئی ہوئی ہیں اور وہاں جاکر انہوں نے attack کیا ہوا ہے اور جنگ لگی ہوئی ہے اور وہاں کے لوگ مر رہے ہیں اور ہم بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ مجھے یہ باتیں سن کر بڑا افسوس ہوتا ہے۔ صرف تقریر کرنے کے لئے یہ باتیں کی جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ پاکستان میں

[***] الفاظ بحکم چیئرمین حذف کئے گئے۔

روزانہ ایسی ہزاروں عورتوں کی ہر شہر میں کوئی نہ کوئی بے حرمتی کرتا ہے۔ اس بات پر ہمیں شرم آنی چاہیے۔ ہمیں اس واقعہ پر افسوس ہے مگر اس کو ٹارگٹ بنا کر بلوچ سرداروں نے، جنہوں نے پورے بلوچستان کے لوگوں کو محکوم کیا ہوا ہے، جاگیرداروں نے اور وہاں کے سرداروں نے جو ان کی ترقی نہیں چاہتے ، انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں پر موجود تنصیبات پر حملے شروع کئے ہیں۔ کیا یہ غریب عوام کا کام ہے؟ میں سب سے پہلے سوال کرتی ہوں۔ وہاں پر لوگوں کو غربت کے مارے بقول ان کے روٹی نہیں ملتی تو ان کے پاس راکٹ لانچر کہاں سے آئے ہوئے ہیں کہ وہ لوگوں کو مار رہے ہیں؟ اس لیڈی ڈاکٹر کے قصے میں ۱۰ لوگ مارے گئے ہیں اور کچھ زخمی ہوئے ہیں۔ یہ بات میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ کیسے ہوا؟ کیا اتنے بے وقوف لوگ اس ایوان میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ یہ جو کہتے رہیں گے، ہم سنتے رہیں گے۔ ایک بڑا خوفناک اور برا واقعہ ہوا ہے۔ جیسا کہ میسم بلوچ صاحب بھی کہہ رہے تھے کہ جی خاتون سے زیادتی ہوئی ہے۔ ہم سارے افسردہ ہیں۔ تکلیف میں ہیں مگر اس کو واقعہ بنا کر ----- اس سے پہلے پارلیمانی کمیٹی بنی ہوئی تھی اور وہ ان کی demand پر غور کر رہے ہیں اور دینا بھی چاہتے ہیں۔ ان کی demand پوری بھی کرنا چاہتے ہیں مگر ان سرداروں نے میرے خیال میں بلیک میلنگ شروع کی ہوئی ہے جو کہ نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں پر ایسا تاثر دیا جا رہا ہے جیسے پاکستان کے ایک صوبے میں جنگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے بتایا جائے کہاں مار دھاڑ ہو رہی ہے، کہاں جنگ لگی ہوئی ہے، کہاں توپیں آئی ہوئی ہیں، کہاں فوج آئی ہوئی ہے؟ چھاؤنیاں پاکستان کے ہر حصے میں ہیں، ہر شہر میں ہیں۔ کوئٹہ اس سے کوئی مبرا ہے؟

گوادر کی بات بار بار کی جا رہی ہے۔ گوادر عمان سے لیا ہوا ایک حصہ ہے جو کہ بلوچستان کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ مانا کہ ان کا حصہ بنا دیا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اس کی ترقی ہو رہی ہو تو وہ لوگ دھمکیوں پر اتر آئیں۔ ان کو خطرہ ہے کہ ہماری جاگیرداری ختم ہو جائے گی۔ لوگ امیر ہو رہے ہیں۔ گوادر کے لوگوں نے کروڑوں روپے کی زمین فروخت کی ہے۔ کیا وہ بلوچستان کے عوام نہیں ہیں؟ کوسٹل ہائی وے بن رہی ہے۔ گوادر پورا تیار ہو رہا ہے۔ وہاں پر سینڈک کا منصوبہ چل رہا ہے ، یہ چیزیں کدھر ہیں، کیا یہ ترقی کا حصہ نہیں ہیں؟ جو کھڑا ہوتا ہے یہی بات کرتا ہے مر گئے ، کھپ گئے ، وہاں فوج آگئی ، یہ ہوگیا۔ آج سے پچیس، تیس

سال ہوئے میں فوجی کی بیوی بن کر وہاں کوئٹہ میں رہ رہی ہوں، میں نے پوری چھاونی دیکھی ہوئی ہے، میں نے کوئٹہ دیکھا، دوسرے شہر دیکھے، نصیر آباد دیکھا، کس جگہ فوج نہیں تھی آج سے تیس سال پہلے، جو اب کہتے ہیں فوج آگئی، کہاں آگئی، کدھر آگئی۔ فوج کی چھاونیاں تو پورے پاکستان میں ہیں، جو اس کا کام ہے، جہاں جہاں سرحدیں ہیں، وہ حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں ! اگر کوئی ایسا غیرمعمولی واقعہ ہوگیا ہے تو وہ ایک غلط بات ہے اور اس کو اس طرح ایک عجیب سا رنگ دینا، اس ملک سے خطرناک صوبے کو الگ کرنے کا رنگ دینا یا یہاں پر منافرت پھیلانا، میں نے ہمیشہ صوبہ بلوچستان کا ساتھ دیا، میں وہاں کھڑی ہو جاتی تھی اور کہتی تھی کہ یہ پس ماندہ صوبہ ہے ہم ان کے ساتھ ہیں، پہلے ان کی ترقی ہو پھر کیوں پنجاب کو گالیاں دیتے ہیں، ہر جگہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ پنجابیوں نے یہ کر دیا، مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے۔ یہ ایوان چار صوبوں کی نمائندگی کرتا ہے اور ہم آپس میں ایک زنجیر کی طرح بندھے ہوئے ہیں اور پھر بھی ایسی بات ہو بڑی افسوسناک بات ہے۔

ایک عورت کے قصے کو بنیاد بنا کر انہوں نے ایک ہوّا کھڑا کیا ہے ہمارے سارے لیڈر چوہدری شجاعت حسین صاحب، چوہدری پرویز الٰہی ہمارے صدر صاحب، ہمارے وزیر اعظم صاحب، سب کہتے ہیں کہ اگر کوئی سیاسی مسئلہ ہے تو ہم سیاسی طریقے سے حل کریں گے اور وہ وہاں بات چیت کرنے جا رہے ہیں پھر اس طرح کی خوفناک تقریریں کی جائیں کہ وہ دفاع میں آگئے ہیں، انہوں نے کہیں سے امداد نہیں لی اگر انہوں نے کہیں سے امداد نہیں لی ہے تو کہاں سے راکٹ لانچر چلائے ہیں، بم چلائے ہیں، کہاں سے وہ بم آئے ہیں، غریبوں کے پاس بم ہیں، آپ تو کہتے ہیں ان کے پاس کھانے کو روٹی نہیں ہے وہاں کے عوام جن کے محکوم ہیں وہی ان پر بم چلا رہے ہیں۔ ان کو یہ فکر پڑ گئی تھی یہ اب آزاد ہو جائیں گے، اب امیر ہو جائیں گے، یہ اب ترقی کرلیں گے تو پھر ہمارا کیا بنے گا۔ ہماری جاگیرداری کہاں جائے گی۔ پورے پاکستان کا اصل مسئلہ غربت ہے، پنجاب ایک امیر صوبہ ہے چلیں میرے ساتھ میں آپ کو پنجاب کے گاؤں دکھاؤں، لاہور سے باہر نکل کر دیکھیں کتنی غربت ہے، سندھ ان کو دکھائیں، صوبہ سرحد ان کو دکھائیں جو کہتے ہیں کہ بلوچستان غریب ہے، پورا پاکستان غریب ہے، تین کروڑ لوگوں کا تعلیم یافتہ ہونا یا پڑھے لکھے ہونا یا امیر ہونا، کوئی معنی نہیں رکھتا، ہمیں بہت آگے جانا ہے۔ بارہ

کروڑ لوگ اس ملک میں ابھی غریب ہیں اور وہ سارے پاکستان کے لوگ ہیں ، آپ ہر وقت اپنے صوبے کا رونا کیوں رونا چاہتے ہیں، ہم سے بھی پوچھیں۔ اس وقت کہیں اتنی ترقی نہیں ہو رہی جتنی اس وقت بلوچستان میں ہو رہی ہے، پورے پاکستان میں نہیں ہو رہی ۔ ان کو تو خوش ہونا چاہیے۔ یہ روز ہوّا کھڑا کر دیتے ہیں پچھلے چار مہینوں سے ان کی باتیں سن سن کر ہمارے کان پک گئے ہیں۔ اب یہ ہوآ بنا لیا کہ فوج کشی ہو رہی ہے ، کہاں فوج کشی ہو رہی ہے؟ کدھر فوج کشی ہو رہی ہے اگر یہ اپنے ملک کی تنصیبات برباد کریں گے تو فوج کشی ہوگی اور ہونی بھی چاہئیے کیونکہ پورے ملک کی بجلی بند کر دینا، پورے ملک کی گیس بند کر دینا، یہ کہاں کی شرافت ہے ، جناب چیئرمین! ہم ایک دو لوگوں کے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہو سکتے، ہم نے لاکھوں لوگوں کی قربانی دے کر یہ ملک حاصل کیا ہے۔ ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیے کہ لاکھوں لوگوں کی قربانی کے بعد پاکستان بنا تھا اور آج یہ لوگ پاکستان کے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں، کیوں؟ یہ ملک توڑنے کی باتیں کیوں کرتے ہیں، یہ صوبے الگ کرنے کی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

(اس مرحلے پر اذان سنائی دی)

(Pause for Maghrib Aazan)

Mr. Chairman: Would you like to finish your speech and then we disburse for prayer.

سینیٹر گلشن سعید ، جناب چیئرمین! میں یہ کہہ رہی تھی کہ ہم سارے صوبوں سے محبت کرتے ہیں۔

جناب چیئرمین ، چلیں، میرے خیال میں پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں بعد میں continue کر لیتے ہیں۔

سینیٹر گلشن سعید ، نہیں، یہ تو غلط بات ہے چیئرمین صاحب! ان کو اب تکلیف ہو رہی ہے ناں۔

جناب چیئرمین ، نہیں، میں آپ کو نہیں روک رہا ہوں۔ ہدایت اللہ شاہ صاحب آپ بیٹھیں۔ No cross talk please.

سینیٹر گلشن سعید : آپ آرام سے بیٹھیں، ہم بھی تو آپ کی بات دو دنوں سے سن رہے ہیں۔ میری تقریر کے بعد جائیں گے نماز پڑھنے کے لیے آپ اور اگر کسی اور کو جانا ہے تو جانے میں تو نہیں روک سکتی۔ میں تو تقریر ختم کروں گی اور پھر ہم اٹھیں گے۔ یہ بات میں آپ کو بتا دوں۔

جناب چیئرمین : نہیں، ایسی بات نہیں ہے، کافی وقت ہے نماز کے لیے۔ کسی کی نماز miss نہیں ہو گی۔

سینیٹر گلشن سعید : جناب چیئرمین ! یہ جاتے ہیں تو جائیں۔ یہ سچی بات نہیں سن سکتے۔ یہ محکوم ہیں ان جاگیرداروں کے ہاتھوں۔

جناب چیئرمین : کوئی شک کی بات نہیں ہے اس میں۔

سینیٹر گلشن سعید : یہ محکوم ہیں ان لوگوں کے ہاتھوں۔ آج تک 57 سالوں میں انہوں نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا؟ اپنے صوبے کے لیے کیا کیا؟ صوبائی حکومت ہے ناں۔ خود سردار ہی وہاں پر CM بنتے ہیں اور وزیر بنتے ہیں۔ اپنی قوم کے لیے کچھ نہیں کیا۔ سب یہاں پر آ کر چیختے ہیں کہ یہاں سے federal سے دو ہمیں۔ صوبوں میں کیا کچھ نہیں ہے۔ یہ بات میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ ان کو صرف ڈر یہ ہے کہ اب ترقی ہوجائے گی اور یہ لوگ آزاد ہوجائیں گے، لوگ پڑھ لکھ جائیں گے، ان کی حالتیں بدل جائیں گی تو ہمارا کیا ہوگا۔ یہ ان لوگوں کے نمائندے ہیں، ان کو تو ان کے خلاف لڑنا چاہیے لیکن یہ تو یہاں اس طرح show کر رہے ہیں کہ یہ ہو رہا ہے اور وہ ہو رہا ہے۔ ہر بندہ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ فوج کشی ہو رہی ہے۔ کہاں ہو رہی ہے فوج کشی۔ ان سے پوچھیں۔ فوجوں کی history بیان کی جا رہی ہے، بنگلہ دیش کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ مہیم خان بلوچ پر مجھے بہت افسوس ہوا ہے، یہ ہماری پارٹی میں رہ کر، ہمارے ساتھ رہ کر بنگلہ دیش کی باتیں کرتے ہیں۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس صوبے کو آسانی سے جانے دیں گے۔ کبھی بھی نہیں۔

جو آدمی دہشت گردی کرے گا، جو آدمی اس ملک کی تنصیبات کے خلاف کام کرے گا، اس کو اس کی سزا ملے گی۔ یہ پکی بات ہے۔ وہاں کے عوام تو بالکل کچھ نہیں کر رہے ہیں

بیچارے۔ وہ تو غریب ہیں۔ بقول ان کے، ان کے پاس نہ روٹی ہے، نہ کپڑا ہے، نہ ان کے کوئی وسائل ہیں، تو پھر وہ راکٹ لانچر اور بڑے بڑے بم کہاں سے لاتے ہیں؟ جیپیں کہاں سے لاتے ہیں؟ کلاشنکوفیں کہاں سے لاتے ہیں؟ میں یہ بات ان سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ 57 سال سے انہوں نے کبھی بھی رونا نہیں رویا عوام میں آکر۔ ابھی سارا کچھ ہوگیا۔ یہ اپنی لیڈری چمکا رہے ہیں۔ اگر یہ اچھے ہوں، یہ محب الوطن ہوں تو یہ ان کو پکڑیں جو لوگ ایسے کام کر رہے ہیں۔ بلکہ ہمارے ساتھ مل کر ان کو سامنے لائیں۔ جب ہماری حکومت کہتی ہے کہ ہم سیاسی طور پر سارے مسائل حل کریں گے تو یہ بھی ساتھ مل جائیں۔ یہ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ان کا فرض بنتا ہے۔ ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ بلوچستان ہو، سندھ ہو، پنجاب ہو یا سرحد کا صوبہ ہو، ہم آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ پاکستان ایک ہار کی طرح ہے اور یہ صوبے اس کے چار موتی ہیں۔ چیئرمین صاحب! ہم چاہتے ہیں کہ ان کی عوام آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے محبت کریں، بات کریں اور بات چیت سے ہر مسئلہ حل ہو۔ یہ اس طرح کی threat دیتے ہیں یہاں پر بیٹھ کر۔ افسوس ہوتا ہے مجھے ان کی حالت پر۔ یہ کیا بات ہوئی؟ آج تک تو اس صوبے میں کوئی ترقی نہیں ہوئی تھی۔ تین، چار سال سے ترقی شروع ہوئی ہے تو ان کو problem پڑ گئی ہے کہ جی وہ اب آزاد ہو جائیں گے تو ہمارا کیا بنے گا۔ جاگیرداروں کے لوگ ہیں یہ لوگ جو یہاں پر آ کر اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے اور کچھ نہیں کہنا شکریہ۔

Mr. Chairman: We will break for prayer and meet again in 15 minutes that is five minutes past six.

(The House was then ad journed to meet again at 6.05 P.M.)

(وقفہ نماز مغرب کے بعد اجلاس دوبارہ شروع ہوا)

جناب چیئرمین، ڈاکٹر محمد اسلم بلیدی۔

سینیٹر محمد اسلم بلیدی، شکریہ جناب چیئرمین! میں نیشنل پارٹی کی طرف سے ،

محکوم قوموں کے اتحاد پونم کی طرف سے، چار فریقی بلوچ اتحاد کی طرف سے، بلوچستان کے محکوم و مظلوم عوام کی طرف سے ان تمام سیاسی پارٹیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے بلوچستان کے اوپر اس فوجی یلغار کی مخالفت کی، بلوچستان کے اوپر بلوچ قوم کی نسل کشی کی مخالفت کی اور خصوصاً متحدہ قومی موومنٹ، اے آر ڈی، اے این پی، ایم ایم اے اس ملک کی وکلاء برادری، اس ملک کے دانشوروں کا ہم اہالیان بلوچستان تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

جناب چیئرمین! بلوچستان آج جس صورتحال سے دوچار ہے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ گزشتہ چھپن سالہ زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔ بلوچستان 1948 کے جبری الحاق سے لے کر آج تک محکومی اور محرومیوں کا شکار رہا۔ بات بلوچستان کے وسائل کی لوٹ مار کی ہو یا بلوچستان کے سیاسی اختیارات کی ہو ان چھپن سالوں میں اس ملک کے حکمرانوں نے بلوچستان کے ساتھ ہمیشہ زیادتی کی۔

جناب چیئرمین! 1952 میں جب یہ ملک نیا نیا بنا تھا تو اس ملک کو بہت سارے بحرانوں کا سامنا تھا تو اسی سوئی کی گیس نے اس ملک کی معیشت کو سہارا دیا۔ اس ملک کی انرجی کی ضروریات کو پورا کیا لیکن بلوچستان کے عوام، سوئی کے عوام اپنی قومی دولت سے محروم رہے۔ اس قومی دولت سے غیر بلوچوں نے استفادہ کیا۔ اسی گیس کی بدولت پاکستان کے کونے کونے میں کارخانے قائم ہوئے لیکن 1955 سے لے کر 1990 تک بلوچستان کو گیس کی مد میں جو رائلٹی ملنی تھی اس میں سے ایک پیسہ بھی بلوچستان کو نہیں دیا گیا اور بلوچستان کی گیس کے ساتھ، بلوچستان کی گیس کی قیمت کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا گیا۔ یہی گیس جو بعد میں دوسرے صوبوں کے اندر سے پیدا ہوئی ان کی قیمت Rs.200 per 1000 cubic ft لیکن بلوچستان کی گیس کی قیمت 22 روپے ابھی تک جاری و ساری ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بلوچستان کے ساتھ یہ ایک بڑی زیادتی ہے۔ اس گیس کی نوکریوں کی مد میں سب سے پہلی ترجیح بلوچستان کے لوگوں کو دینی چاہیے تھی لیکن نوکریوں کی مد میں بھی بلوچستان کے لوگوں کے لئے سارے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اسی طرح سینڈک پراجیکٹ کو لے لیں تو سینڈک گولڈن کاپر پراجیکٹ خالصتاً ایک صوبائی ایشو ہے جو صوبے کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔ 1973 کے آئین کے اندر یہ بات بالکل واضح طور پر موجود ہے کہ اگر ایک subject federal legislative list کے اندر یا concurrent list کے اندر نہ ہو تو already وہ صوبوں کے دائرہ

اختیار میں آتا ہے لیکن اس گولڈن کاپر پراجیکٹ کے حوالے سے بھی ہمارے ساتھ وہی سلوک روا رکھا گیا جو سوئی گیس کے حوالے سے رکھا گیا تھا۔ اس پراجیکٹ کی جو آمدنی ہوتی ہے اس کا پچاس فیصد وفاقی حکومت اور پچاس فیصد پاکستان کے دوست چین کو بخش دیا گیا ہے اور صرف اور صرف 2% رائلٹی کے مد میں بلوچستان کی حکومت کو مل رہا ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔

جناب چیئرمین! میگا پراجیکٹ کے حوالے سے ہمارے فوجی حکمران ہر جگہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ جی ہم بلوچستان کو ترقی دے رہے ہیں، ہم بلوچستان میں میگا پراجیکٹ بنا رہے ہیں، ہم Gwadar Deep Sea Port بنا رہے ہیں لیکن بلوچستان کے چند سردار، بلوچستان میں ترقی نہیں چاہتے۔ جناب چیئرمین! میں آپ کے توسط سے حکومت کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ بلوچستان کا کوئی شخص ترقی کے مخالف نہیں ہے۔ بلوچستان کے لوگ ترقی پسند لوگ ہیں، بلوچستان کے لوگ ترقی چاہتے ہیں۔ media کے حوالے سے دو تین سرداروں کا نام ہمیشہ لیا جاتا ہے کہ یہ سردار ترقی نہیں چاہتے اور ترقی کے مخالف ہیں، یہ قبائلی سردار ہیں۔ میں یہ بات واضح کروں کہ یہ صرف اور صرف قبائلی سردار نہیں ہیں۔ یہ بلوچستان کے سیاسی نمائندے ہیں۔ نواب اکبر خان بگٹی قبائلی حیثیت کی بجائے ملکی level کے پایہ کا سیاسی راہنما ہے۔ اسی طرح عطاء اللہ مینگل، نواب خیر بخش مری، ڈاکٹر عبدالحئی بلوچ، محمود خان اچکزئی اور مولانا شیرانی یہ کسی قبیلے کے نمائندے نہیں ہیں، یہ بلوچستان کے لیڈر ہیں، بلوچ قوم کے لیڈر ہیں۔ ثناء بلوچ کا تعلق مینگل قبیلے سے نہیں ہے لیکن وہ BNP میں اس لئے کام کر رہا ہے کہ وہ مینگل صاحب کی فکر سے متاثر ہے، ان کی سیاسی سوچ سے متاثر ہے۔ امان اللہ کنرانی کا تعلق بگٹی قبیلے سے نہیں ہے لیکن وہ نواب صاحب کی سیاسی سوچ سے متاثر ہے اور اسی طرح میرا تعلق ڈاکٹر حئی بلوچ کے قبیلے سے نہیں ہے لیکن میں ان کی سیاسی سوچ سے متاثر ہوں۔ یہ لوگ اپنے قبائل کے نمائندے نہیں ہیں یہ بلوچستان کے، بلوچ قوم کے نمائندے ہیں، یہ ہرگز ترقی کے مخالف نہیں ہیں لیکن وہی ترقی جو ہم چاہتے ہیں، وہی ترقی جو ہماری شرائط پر ہو، وہی ترقی جس ترقی سے ہمیں فائدہ ملے اس ترقی کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔

mega project کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی mega project

نہیں، یہ میگا ہڑپ بلوچستان ہے، بلوچستان کو ہڑپ کرو، بلوچستان کے resources کو ہڑپ کرو، بلوچستان کے ساحل سمندر کو ہڑپ کرو اور بلوچستان کی demography کو change کرو۔ آج ہم کہتے ہیں کہ Gwadar Port ضرور بنے لیکن ان کے تمام تر اختیارات صوبائی حکومت کو ملنے چاہئیں، ان کے تمام اختیارات صوبائی اسمبلی کو ملنے چاہییں۔ اس ملک کے حکمران اس بات پر کیوں agree نہیں۔

بات میرانی ڈیم کی آتی ہے، ہم کہتے ہیں اور ہمارا مطالبہ رہا ہے کہ میرانی ڈیم بنے لیکن ہم نے یہ کہا تھا کہ یہاں میرانی ڈیم زرعی purposes کے لئے بنے، یہاں جو میرانی ڈیم کے command area میں 5 لاکھ ایکڑ بنجر زمینیں پڑی ہوئی ہیں، اسی ڈیم کے ذریعے آپ ان زمینوں کو سیراب کریں لیکن حکمران یہ ڈیم بلوچستان کی ترقی کے لئے، بلوچستان کی زرعی معیشت کی ترقی کے لئے نہیں بنا رہے ہیں۔ یہ جو نئی آبادکاری کا پروگرام انہوں نے بنایا ہے اس tank کے پانی کو وہاں لے جانا چاہتے ہیں، ہم کسی بھی صورت میں اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ کیا یہ mega project ہے، Gwadar Port شروع ہونے کے ساتھ ساتھ اس پورے district کی زمینیں جو 12500 Sq.Km. بنتی ہیں وہ پورے district کی زمینیں بلوچستان سے باہر کے سرمایہ داروں کو الاٹ کی گئیں، آدھے district کی زمینیں Ministry of Defence کو الاٹ کی گئیں۔ Ministry of Defence میں آرمی، نیوی اور ائرفورس کو زمین الاٹ کی گئی اور Coast Gurad کو وہاں پر ہزاروں ایکڑ زمین الاٹ کی گئی۔ کیا یہ ترقی ہے یا ایک نئی ریاست بنانے کی سازش ہے۔ہم اس کو کسی بھی صورت میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اگر حکمرانوں کی نیت میں فتور نہ ہوتا تو آج ایک سال کے اندر گوادر میں 20 housing سکیمیں شروع نہ کرتے تو حکمران ہمیں یہ بتائیں کہ ان بیس housing سکیموں کے اندر وہ کس کو بسا رہے ہیں، بلوچستان کے لوگوں کو بسا رہے ہیں یا باہر کے سرمایہ داروں کو یہاں لا کر بلوچوں کی شناخت، بلوچوں کا وطن، بلوچوں کی زبان، بلوچوں کی تہذیب، بلوچوں کے تمدن کو ہمیشہ کے لئے دفن کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ ہم کسی بھی صورت میں اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

جناب چیئرمین! آج بلوچستان جس صورت حال سے دوچار ہے، ان میں سب سے بڑا role وفاقی forces کا ہے، FC کی شکل میں، Coast Guard کی شکل میں پورے بلوچستان

کے طول و ارض میں 493 check posts لگی ہوئی ہیں اور ہر check post پر لوگوں کو روک کر ان کی بےعزتی کی جاتی ہے، ان کی تذلیل کی جاتی ہے۔ چادر اور چار دیواری کی پرواہ کئے بغیر یہ درندہ forces بلوچستان کے عام شہریوں کی، بلوچستان کے عام غریبوں کے گھر میں دن رات گھس کر ان کی بے عزتی کرتے ہیں۔ کوئی عزت مند، کوئی غیرت مند بلوچ ان forces کی زیادتیوں سے محفوظ نہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جب پنجاب rangers کے اندر پنجاب کے لوگ بھرتی ہوتے ہیں، Frontier Corp کے اندر پشتونخواہ کے لوگ بھرتی ہوتے ہیں۔ Frontier Constabulary کے اندر پشتونخواہ کے لوگ بھرتی ہوتے ہیں تو کیوں نہ بلوچستان میں ایسی وفاقی force بنائی جائے جس میں بلوچستان کے لوگوں کو روزگار ملے، جس میں بلوچستان کے لوگوں کو نوکریاں ملیں۔ کیا یہ ہمارے ساتھ زیادتی نہیں ہے، ہم ان سے سوال کرنا چاہتے ہیں، کیا وہ ہم پر بھروسہ نہیں کرتے ہیں، کیا وہ ہماری محب وطنی پر شک کرتے ہیں؟ بنگالیوں کے بارے میں بھی یہی کہا گیا کہ جناب! ڈیڑھ بنگالی، ایک پنجابی وہی formula اب بلوچستان پر بھی apply کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے پاس نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جو ان forces کے اندر نوکری کر سکتے ہیں اور اپنی duty انجام دے سکتے ہیں لیکن جان بوجھ کر ہمارے لوگوں کو، ہمارے عوام کے دروازے ان forces کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں۔ یہی حال Coast Guard کا ہے، اس ملک کا 70% ساحل سمندر بلوچستان میں ہے لیکن 100% Coast Guard کی نفری پنجاب سے بھرتی کرکے لاتے ہیں۔ کیا ہم اپنی coast کا دفاع نہیں کر سکتے ہیں، پانچ ہزار سال سے ہم نے اس coast کا دفاع کیا اور ابھی ہم اس positionمیں ہیں کہ اپنے ساحل سمندر کا دفاع کریں۔ ہمیں جان بوجھ کر ان اداروں سے دور رکھا جا رہا ہے، کیا ہمارے ساتھ امتیازی سلوک نہیں ہے، کیا یہ ہمارے ساتھ زیادتی نہیں ہے؟

جناب چیئرمین! اسی طرح cantonment کا مسئلہ ہے تو دنیا کے اندر تمام ممالک میں cantonments international boundaries کے آس پاس بنائی جاتی ہیں، بین الاقوامی اور ملکی سرحدوں پر بنائی جاتی ہیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک کے حکمرانوں نے بلوچستان کے ان areas میں cantonment بنانے کا اعلان کیا، جہاں پر اس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ اب سوئی، کوہلو اور گوادر میں cantonment کی کیا ضرورت ہے؟ جواز یہ پیش کر رہے ہیں

کہ جی cantonment بنانے سے یہاں پر ترقی ہو گی، یہاں پر خوشحالی ہو گی، یہاں پر امن و امان بحال ہو گا۔ ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر cantonment کے حوالے سے ترقی ہوتی تو کوئٹہ آج Paris بن جاتا اگر cantonment کے حوالے سے ترقی ہوتی تو آج خضدار سنگاپور بن جاتا۔ اگر cantonment کے حوالے سے امن و امان کا مسئلہ حل ہوتا تو آج کوئٹہ دنیا کا پر امن ترین شہر ہوتا لیکن کوئٹہ میں اس بڑے cantonment کی موجودگی کے باوجود، کور ہیڈ کوارٹرز کی موجودگی کے باوجود law and order کا یہ مسئلہ ہے کہ وہاں کے وزراء اور سیکرٹریز اپنے دفاتر میں جانے سے ڈرتے ہیں۔ Civil Secretariat میں قدم رکھنے سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ کبھی کسی وزیر صاحب کے باتھ روم میں دھماکہ، دوسرے دن کسی سیکرٹری صاحب کی کرسی کے نیچے کوئی دھماکہ ہوتا ہے۔ اگر امن و امان کا مسئلہ cantonment کے ذریعے حل ہوتا تو آج بلوچستان کے وزراء اور سیکرٹریز اپنے دفاتر میں جانے سے اتنے خوفزدہ نہ ہوتے لیکن ان cantonments کے بنانے کے مقصد کا ہمیں پتا ہے۔ جب کوہلو میں cantonment بنتا ہے تو ہمیں پتا ہے کہ حکمرانوں کے عزائم کیا ہیں۔ جب ڈیرہ بگٹی میں cantonment بنتا ہے تو ہمیں پتا ہے کہ حکمرانوں کے عزائم کیا ہیں؛ ڈیرہ بگٹی اور کوہلو معدنیات کے حوالے سے اس پورے خطے میں امیر ترین سرزمین ہے۔ وہ cantonment کے ذریعے، بندوق کے ذریعے بلوچستان کے resources کو نکال کر اپنے Bank balance بڑھانے کی ایک سازش کر رہے ہیں جو کسی صورت بھی کامیاب نہیں ہوگا۔ بلوچستان میں exploration تیل اورگیس کی اس وقت ہوگی جب اس کے تمام اختیارات آپ صوبائی حکومت کو دیں گے اور بلوچستان حکومت کو دیں گے۔ وہی تجربہ جو ہم نے سوئی میں کیا۔ آپ نے سوئی گیس پر جو لوٹ مار مچائی۔ وہ سلسلہ اب نہیں ہوگا۔ جب تک ایک بلوچ زندہ ہے۔ بلوچ اپنے وسائل اور اپنی سرزمین کا دفاع کرنا خود جانتا ہے۔ نہ کسی کا مکا لہرانے سے ہم ڈرتے ہیں۔ نہ کسی کی بندوق دکھانے سے ہم ڈرتے ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ۵ ہزار سال سے اس دھرتی کا دفاع کیا ہے اور اس دھرتی کا دفاع کرنا ہم اچھی طرح جانتے ہیں اورحکمرانوں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ وہ ایسے حالات پیدا نہ کریں کہ فوج اور عوام ایک دوسرے کو مارنے کے لئے آمنے سامنے ہو جائیں۔ یہ صورتحال بلوچستان میں پیدا ہو رہی ہے۔

جناب چیئرمین! جہاں تک لیڈی ڈاکٹر کے واقعہ کا تعلق ہے۔ اس پر میرے دوست

امان اللہ کنرانی نے کل تفصیل سے بات کی تھی۔ ان باتوں کو میں repeat نہیں کرنا چاہتا لیکن یہاں پر سرکاری بنچوں پر بیٹھے ہوئے ہمارے دوست بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ جناب اس معمولی واقعہ کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ ان کے لئے ضرور معمولی ہوگا لیکن ہمارے لئے نہیں ہوگا۔ ہمارے لئے یہ بہت حساس معاملہ ہے۔ حکمرانوں کو بلوچوں کی تاریخ پڑھنی چاہیے کہ بلوچوں کی عظیم سلطنت زاہدان سے شروع ہوکر راجن پور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک خاتون کی وجہ سے بلوچوں نے آپس میں ۳۰ سال جنگ لڑی۔ ایک خاتون کی بے حرمتی کی وجہ سے بلوچوں کی سلطنت بکھر گئی۔ تو کیا ہم اپنے آباؤ اجداد کی روایت کو بھول سکتے ہیں؟ اس وقت بلوچستان کا حکمران میر چاکر رند ہوتا تھا۔ میر چاکر رند کی پناہ میں ایک خاتون رہتی تھی جس کا نام غالباً بی بی گوہر تھا۔ میر گہرام لاشاری جو چاکر کا قریبی رشتہ دار تھا' گہرام لاشاری کے لوگوں نے جاکر بی بی گوہر کی مال مویشیوں کو قتل کیا اور اسی بات کو چاکر نے بنیاد بناکر گہرام کے ساتھ ۴۰ سالہ جنگ لڑی اور ان کی سلطنت بکھر گئی۔ اس سلطنت کے حدود زاہدان سے راجن پور تک اور بندر عباس سے کلاچی تک تھے۔ وہ ساری سلطنت بکھر گئی لیکن بلوچوں نے اپنے اصولوں سے انحراف نہیں کیا۔ ہم ان بلوچوں کی اولاد ہیں۔ ہماری پناہ میں رہنے والی خاتون پر کوئی دست درازی کرتا ہے تو ہم اس کو کسی صورت میں معاف نہیں کرتے ہیں۔

جناب چیئرمین! آج اگر اس ملک کی کوئی geopolitical importance ہے تو وہ بلوچستان کی وجہ سے ہے۔ آج اگر امریکہ یا مغربی دنیا پاکستان کو بھیک کی یا امداد کی شکل میں کچھ دیتے ہیں' اس کے سامنے کچھ پیش کرتے ہیں تو بلوچستان کی geopolitical importance کی وجہ سے دیتے ہیں ورنہ باقی پاکستان کی کوئی اتنی بڑی اہمیت نہیں رہے گی۔ لیکن اس اہم ترین سرزمین کے لوگوں کے ساتھ گزشتہ چھپن سالوں سے جو زیادتیاں ہو رہی ہیں اور جب ہم ان زیادتیوں کے خلاف بات کرتے ہیں' جدوجہد کرتے ہیں تو ہمیں وطن دشمن' غدار اور پتا نہیں کیا کیا نام دیا جاتا ہے' ہم جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد کے لیے' اس ملک کی قوموں کے حقوق کی جدوجہد کے لیے' اس ملک میں سماجی مساوات کی جدوجہد کے لیے' اس ملک میں طبقاتی برابری کی جدوجہد کے لیے ہر قسم کے غدار بننے کے لیے تیار ہیں۔

جناب والا! ان تمام مسائل کا حل میں سمجھتا ہوں کہ ایک جمہوری پاکستان ہے جو حقیقی

میں طبقاتی برابری کی جدوجہد کے لیے ہر قسم کے غدار بننے کے لیے تیار ہیں۔

جناب والا! ان تمام مسائل کا حل میں سمجھتا ہوں کہ ایک جمہوری پاکستان ہے جو حقیقی جمہوریت پر مبنی ہو، جس میں حقیقی وفاقی پارلیمانی نظام ، قوموں کی برابری، قومی وحدتوں کے حقوق، قانون کی بالا دستی، آئین کی بالادستی ، تمام لوگوں کے ساتھ منصفانہ سلوک، ان تمام مسائل کا حل اس پاکستان کے اندر نکل سکتا ہے۔ ایک dictatorial پاکستان، جرنیلی پاکستان، غیر آئینی پاکستان، غیر قانونی پاکستان جہاں پر امن و امان کا نام نہ ہو، انصاف کا نام نہ ہو، جمہوریت کا نام نہ ہو، جہاں پر جرنیل صاحب اپنی مرضی سے آئین کو مروڑتے رہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس پاکستان کا انجام سویت یونین سے بہتر نہیں ہوگا۔ اگر اس ملک کو بچانا ہے تو جمہور کی بالادستی قبول کرو، عوام کی بالادستی قبول کرو، آئین کی بالادستی قبول کرو، صوبوں کے حقوق تسلیم کرو، قوموں کے حقوق تسلیم کرو، لوگوں کو انصاف دو، روزگار دو، تعلیم دو، وہ پاکستان تا ابد قائم رہے گا لیکن ایک dictatorial پاکستان کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا ۔ یہ باتیں ہم نہیں کہتے، تاریخ کہتی ہے ۔ پاکستان سے زیادہ اسلحہ تو روس کے پاس تھا، وہ دنیا کی سب سے بڑی سپرپاور تھی لیکن ان کوتاہیوں کی وجہ سے وہ ساری سپرپاور بکھر گئی اور یہی حال یوگوسلاویہ کا ہوا اور یہی حال چیکوسلواکیہ کا ہوا ، ہم یہ نہیں کہتے لیکن اتنے تضادات کے ساتھ اس ریاست کو آگے بڑھانا، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ مزید آگے بڑھے گی۔ اگر اس ملک کو بچانا ہے ، اس کو دائم و قائم رکھنا ہے تو جمہوریت ، عوام کی بالادستی، جمہوری ، آئینی نظام، قانون کی بالادستی اس ملک کو بچا سکتی ہے ۔

ہمیں یہ الزام دیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ مذاکرات نہیں کرتے، یہ لوگ بندوق کی زبان میں بات کرتے ہیں ۔ ہم ہر مسئلے کا حل میز پر چاہتے ہیں ، ہم ہر قسم کی بات چیت کے لیے تیار ہیں لیکن بندوق کی نوک پر نہیں ، دھمکی کے زور پر نہیں، کسی کے بندوق لہرانے سے نہیں ، کسی ٹینک کی گڑگڑاہٹ پر نہیں ، کسی توپ کی گرج ، چمک پر نہیں، برابری کی بنیاد پر بیٹھو، ہمارے ساتھ بات کرو ، ہم اپنے مسائل آپ کو بتا دیں گے جو اس ملک کے آئین کے عین مطابق ہیں ۔ اگر یہی کرتے ہو تو well and good پھر اسی پوزیشن میں تمہیں آنا ہوگا جس وقت یہ کمیٹی بنی تھی اسی پوزیشن میں حکومت کو جانا ہوگا۔ پھر بات کرنے کے لیے لوگ تیار نہیں

جناب چیئرمین! اگر یہ حکومت مذاکرت چاہتی ہے تو بلوچستان سے تمام forces کو withdraw کرے۔ ان تمام mega projects پر کام روک لیں اور وہی captain جس نے یہ گھناؤنی حرکت کی ہے اس کو گرفتار کریں، جو cantonment کا اعلان کیا تھا اس حکومت نے مذاکرات کے دوران۔ جناب والا! اس سے بڑی ستم ظریفی کیا ہوسکتی ہے؟ میں خود اس drafting committee کا ممبر تھا۔ Drafting Committee کی recommendation میں یہ بات شامل تھی کہ جب تک dialogue کا process چل رہا ہے۔ جب تک مذاکرات کا process چل رہا ہے، فوجی چھاؤنیوں کی تعمیر کو اس وقت تک روکنا چاہیے۔ اس کے بعد مذاکرات کے نتیجے میں جو فیصلہ ہوگا، بننے کا یا نہ بننے کا، وہ بعد کی بات ہے۔ Drafting Committee کی رپورٹ اس کمیٹی کے چیئرمین تک نہیں پہنچی تھی کہ آرمی کے نمائندے نے cantonment بنانے کا اعلان کیا تو کیا اس میں ہم غلط ہیں یا وہ۔ مذاکرات کے دوران کمیٹی کی رپورٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے تھا اور ہماری پانچویں شرط یہ ہے کہ بلوچستان میں جتنے سیاسی workers جیلوں کے اندر بند ہیں، کھلی کیمپوں کے اندر بند ہیں، torture cells میں بند ہیں، ان تمام workers کو باعزت طور پر رہا کرو۔ چھاؤنیوں کی تعمیر کو روک دو۔ گوادر پورٹ پر till further order کام روک لو اور مجرم کو گرفتار کرو، اس کے بعد بات چیت ہوسکتی ہے۔ اس کے بغیر گھن گرج سے ہم لوگ ڈرنے والے ہیں نہ بات کرنے والے ہیں۔ پھر وہ جانیں اور ہم جانیں۔ وہ طاقتور ہیں، ہم کمزور ہیں۔ بیشک ہمیں کچلیں، ہمیں ماریں لیکن یہ ہے کہ ہمیں بزورشمشیر، بزور بندوق، بزور ٹینک، بزور میزائل، بزور ایٹم بم، کوئی بات کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

جناب چیئرمین، وقت کیا خیال رکھیے ذرا۔

سینیٹر محمد اسلم بلیدی، جناب چیئرمین! انہی باتوں کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے توسط سے اس ملک کے حکمران ٹولے کو کہتا ہوں کہ اپنا رویہ نرم رکھو گے تو اس ملک کا فائدہ ہوگا۔ اگر ٹکراؤ گے تو انجام بنگال سے بھی بدتر ہوگا۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین، جناب محمد سرور خان کاکڑ۔

سینیٹر محمد سرور خان کاکڑ، جناب چیئرمین! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ

نے مجھے floor پر تقریر کرنے کا موقع دیا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ کئی اجلاسوں میں بلوچستان کا مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے اور اس کے بدلے پچھلے اجلاس میں جب ہماری پارٹی کے لیڈر چوہدری شجاعت حسین صاحب وزیراعظم تھے، انہوں نے اسی floor پر دو پارلیمانی کمیٹیاں بنائیں۔ جس کے ذمہ دو کام تھے۔ ایک تو جناب مشاہد حسین صاحب کی صدارت میں تھی جس میں آج کل کے جو مسائل تھے بلوچستان میں، ان کے بارے میں رپورٹ دینا تھی اور ایک کمیٹی وسیم سجاد صاحب کی صدارت میں تھی اور وہ کمیٹی آئینی ترامیم کے لیے تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ اعزاز پاکستان مسلم لیگ اور خصوصاً چوہدری شجاعت حسین صاحب کے حصے میں آیا اور اس کمیٹی نے بڑی تندہی سے اور محنت سے گزشتہ ایک، ڈیڑھ مہینے سے بلوچستان کے دور دراز علاقوں کا دورہ کرکے اور لوگوں سے ملاقاتیں کر کے ایک جامع رپورٹ بنائی۔ ابھی یہ معاملہ آخری مراحل میں تھا کہ پھر ایک دفعہ بلوچستان کا مسئلہ زیر بحث آیا۔

میں جناب والا! آپ کے ذریعے اس معزز ایوان میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بلوچستان کا تاریخی background کیا ہے۔ بلوچستان 1935ء کے Act کے تحت انگریزوں نے British Balochistan صوبہ بنایا، British Balochistan صوبہ پشتون علاقہ اور مری بگٹی اور ضلع سبی کے علاقے پر مشتمل تھا اور اس وقت ریاست قلات، خاران، مکران، لسبیلہ اس کی ریاستیں تھیں جو British India کا بھی حصہ نہیں تھیں لیکن اسی طرح ان کے معاملات اور انتظام چلتا رہا۔ پاکستان بننے کے بعد 1955ء میں حکومت پاکستان نے صوبوں کو توڑ کر دو صوبے بنائے، ایک مغربی پاکستان، دوسرا مشرقی پاکستان۔ مغربی پاکستان میں چار صوبے شامل کیے گئے، جس میں صوبہ British Balochistan، صوبہ سندھ، صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب شامل تھے۔ اسی طرح 1957ء میں جناب فیلڈ مارشل ایوب خان نے مغربی پاکستان کی جتنی بھی ریاستیں تھی ان کو ایک آرڈر کے تحت پاکستان میں شامل کیا۔ اس وقت 1957ء میں جب خان آف قلات نے پاکستان میں شامل ہونے سے انکار کیا تھا تو وہاں پر چڑھائی کی گئی اور اس کے بعد ریاست قلات کو بھی مغربی پاکستان کا حصہ بنایا گیا۔ 1970ء میں جب one unit کو توڑا گیا تو British Balochistan کو بحال کرنے کی بجائے دوبارہ بلوچستان کے نام پر تمام ریاستیں اس میں ضم کرکے بلوچستان صوبہ بنایا گیا۔

بلوچستان دو قوموں کا صوبہ ہے جس میں بلوچ اور پشتون دو اکثریتی قومیں رہتی ہیں اور بلوچستان میں 40% پشتون ہیں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ بلوچستان میں جس طرح وفاقی حکومت نے پشتونوں کو نظرانداز کیا ہے، یہ انتہائی افسوس کی بات ہے۔

جناب والا! بلوچستان صرف تین، چار جگہوں کا نام نہیں ہے۔ بلوچستان ایک وسیع صوبہ ہے جو تمام ملک کے 43% رقبے پر مشتمل ہے اور اس وقت کئی مسائل کا شکار ہے۔ صوبہ وسیع تر ہونے کی وجہ سے اس کے مسائل بھی اتنے زیادہ ہیں جتنا اس کا رقبہ اور درمیانی فاصلے بھی بہت ہیں۔ چونکہ پاکستان میں ہمیشہ adhocism سے کام لیا گیا اس لیے بلوچستان کو ترقی دینے میں بہت پس و پیش سے کام لیا گیا۔ اگرچہ بلوچستان ایک بہت زرخیز اور ایک وسیع سمندر کا حامل صوبہ ہے۔ تقریباً دو سو یا اڑھائی سو میل اس کا ساحلی علاقہ ہے۔ اس کو ہمیشہ وفاقی حکومتوں نے پیچھے رکھا۔

اسی طرح NFC Awards میں ہوا۔ آج بھی پاکستان میں NFC Award نہیں ہو سکا۔ وفاقی حکومتوں میں پیچھے رکھا گیا اور اس کو ترقی نہیں دی گئی۔ اسی طرح این۔ ایف۔ سی ایوارڈ ہے، آج بھی پاکستان میں این۔ ایف۔ سی ایوارڈ نہیں ہو سکا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جس ملک میں صوبے اتنے مسائل کا شکار ہوں وہاں این۔ ایف۔ سی ایوارڈ کے اتنے دیر سے فیصلے کرنا اور وسائل کی تقسیم اتنی دیر سے کرنا انتہائی افسوسناک ہے۔ جناب چیئرمین! آپ کو معلوم ہے کہ این۔ ایف۔ سی ایوارڈ میں بلوچستان کی آمدنی بلکہ ہمارے ملک کی آمدنی سوئی گیس کے اوپر ہے، گیس کی رائلٹی کے اوپر ہے۔ اس کو delay کرنا اور صوبے کو محروم رکھنا زیادتی ہے۔ 1954 میں ڈیرہ بگٹی کے مقام پر سوئی گیس explore ہوئی۔ 1954 سے لے کر 1985 میں پہلی دفعہ نیشنل فنانس کمیشن بنا۔ 1985, 86 میں نیشنل فنانس کمیشن کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ 1954 سے مغربی پاکستان کو ایک صوبہ بنا کر تقریباً تیس پنتیس سال تک بلوچستان کے وسائل سے تمام مغربی پاکستان فائدہ اٹھاتا رہا لیکن بلوچستان صوبے کو محروم رکھا گیا۔ بلوچستان جس محرومی کا آج شکار ہے اس کی اصل وجہ بھی one unit کا قیام، اس کو ایک صوبہ بنانا اور پشتونوں اور بلوچستان کے وسائل کو دوسرے علاقوں میں، مغربی پاکستان کے دوسرے علاقوں میں استعمال کرنا ہے۔ بلوچستان کے ساتھ سراسر ناانصافی

ہوئی ہے اور ہمیشہ بلوچستان کو سیاسی اقتدار سے محروم رکھا گیا۔ کبھی بھی بلوچستان کو سیاسی اقتدار میں آگے نہیں لایا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ 1956, 57 میں one unit کے وقت بلوچستان سے ڈاکٹر خان صاحب پارلیمنٹ کا نمائندہ ہوتا تھا۔ میرے چچا نے ان کے خلاف ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں کیس کیا کہ صوبہ سرحد کا شخص پارلیمنٹ میں بلوچستان کی کس طرح نمائندگی کر سکتا ہے۔ تو اس وقت ڈاکٹر خان صاحب کو ہٹایا گیا اور نواب اکبر خان بگٹی بلوچستان سے پارلیمنٹ کا پہلا ممبر بنا، پھر اس کے بعد وہ وزیرمملکت برائے دفاع بنا۔ بلوچستان کے ساتھ پہلے سے ہی زیادتیاں ہوتی رہی ہیں لیکن اس کا حل یہ نہیں ہے کہ جس طرح ہمارے بھائی کہتے ہیں کہ بلوچستان علیحدگی کی تحریک ہے، bomb blast ہو رہے ہیں یہ کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جب بلوچستان میں تمام مسائل کے لئے پارلیمنٹ کے ممبران کی دو کمیٹیاں بن چکی ہیں اور یہ باتیں final ہوچکی ہیں، ایک بہترین package بن چکا ہے تو بلوچستان کے لیڈروں کو اس قسم کے مذاکرات سے انکار نہیں کرنا چاہیے اور اس قسم کے حالات پیدا کرنا یہ ہرگز جمہوریت کے لئے اچھی بات ہے، نہ بلوچستان کے صوبے کے لئے اچھا ہے نہ بلوچستان کے عوام کے لئے اچھا ہے۔ یہ ایک خطرناک رجحان ہے، یہ غلط باتیں ہیں اور میں سمجھتا ہوں بلوچستان کے نواب اکبر خان بگٹی صاحب، نواب خیربخش مری، سردار عطاء اللہ مینگل، مولانا محمد خان شیرانی صاحب اور محمود خان اچکزئی صاحب، یہ سب بلوچستان کے منجھے ہوئے لیڈر ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ ان پارٹی لیڈروں سے مذاکرات کرے اور یہ پارٹی لیڈر جو ہیں چوہدری شجاعت حسین کو مایوس نہ کریں کیونکہ چوہدری شجاعت حسین نے اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ بڑے دل سے، ایک بہت بڑی ذمہ داری بلوچستان کے لوگوں کے لیے اٹھائی ہوئی ہے اور وہ بلوچستان کے لیے اور بلوچستان کے لوگوں کے حقوق کے لیے اتنی محنت کر رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں تو بلوچستان کے لیڈروں کو چاہیے کہ وہ اتنا ضرور کریں کہ وہ ان کی goodwill کے لیے ان سے بات کریں، ان سے مذاکرات کریں کیونکہ اگر ہم سیاستدان آپس میں ایک دوسرے کی بات نہیں مانیں گے، ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بیٹھیں گے تو دوسری قوت ہمارے سر پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اس طرح تو مسئلے حل نہیں ہوں گے نہ جمہوریت آئے گی، نہ یہ جمہوریت کی خدمت ہے۔ جو بھی لوگ انتہا پسندی کا نعرہ لگا رہے ہیں یہ جمہوریت کی خدمت نہیں ہے، یہ بلوچستان کی

خدمت نہیں ہے' یہ بلوچستان کے عوام کی خدمت نہیں ہے' یہ ملک کی خدمت نہیں ہے۔

پاکستان بنا ہے تو انشاء اللہ عمر بھر قائم رہے گا۔ انشاء اللہ پاکستان کے عوام پاکستان کے قائم رکھنے کے ذمہ دار ہیں' ان کی ضمانت ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ہمارے ملک میں کوئی سسٹم نہیں ہے' کوئی نظام نہیں ہے' بہت سی خرابیاں ہیں' زنگ لگ چکا ہے۔ یہ بات صحیح ہے۔ نظام نہیں ہے' انصاف نہیں ہے' حق نہیں ہے' ہر جگہ زنگ آلود ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے' ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ پاکستان سے اچھا ملک ہمیں دنیا کے نقشے پر نہیں ملے گا۔ ہمیں اپنے ملک کو سنوارنا چاہیے۔ ان باتوں سے' بڑی بڑی تقاریر کرنے سے ہم کس کو خوش کر رہے ہیں' کس کی خدمت کر رہے ہیں' کس کے لیے کام کر رہے ہیں؟ یہ باتیں ہم اپنے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کے کریں' ان کو سمجھائیں کہ بھئی یہ راستہ ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ جمہوریت کی بالا دستی ہونی چاہیے۔ یہ بالکل حق ہے' یہ ضروری ہے۔ میں بنچ پر بیٹھا ہوں۔ یہ مسلم لیگ کا بنچ ہے لیکن میں اس پلیٹ فارم سے کہتا ہوں کہ جمہوریت کی بالا دستی ہونی چاہیے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم جمہوریت کی بالا دستی قائم کرنے میں اتنے کامیاب نہیں ہو سکے جتنا ہمیں ہونا چاہیے تھا لیکن انشاء اللہ تعالیٰ ہم ناامید نہیں ہوں گے۔ ہم جمہوریت لا کر انشاء اللہ تعالیٰ جمہوریت کی بالا دستی قائم کریں گے۔

جیسے ایف سی کے بارے میں میں نے کہا کہ وہاں فرنٹیئر اور کوسٹل گارڈ سے لوگوں کو بہت شکایات ہیں۔ انہوں نے لوگوں کی زندگیاں اجیرن کر رکھی ہیں۔ کوسٹل گارڈ یا فرنٹیئر کور کوئی آسمانی لوگ تو نہیں ہیں کہ وہ بلوچستان کے لوگوں کو تنگ کریں۔ ٹھیک ہے اگر انہیں وہاں سمگلنگ میں مزا آتا ہے تو وہ سمگلنگ کرتے جائیں۔ ان کے لیے سمگلنگ فری ہے۔ ان پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن لوگوں کو تنگ نہ کریں' غریب لوگوں کو تنگ نہ کریں۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے' یہ کتنا معزز ایوان ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ پانچ سو میل سے تفتان سے ڈیزل آتا ہے اور کوئٹہ اور کراچی میں بکتا ہے لیکن اگر پشین سے ڈیزل ہمارے علاقے میں آتا ہے جو ہمارا ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہے' تیس میل' چالیس میل ہمارے علاقے میں ایک پٹرول پمپ نہیں ہے۔ وہاں لوگ ڈرموں میں پٹرول لاتے ہیں تو ایف سی والے ڈرموں والوں کو پکڑ کے ان کو تنگ کرتے ہیں۔ ان غریب آدمیوں کا وہی سرمایہ ہے۔ جو وہ

ٹریکٹروں کو چلانے کے لئے لاتے ہیں۔ جناب والا! وہاں تو بجلی بھی نہیں ہے۔وہ پانی نکالنے کے لئے ڈیزل ڈرموں میں لاتے ہیں۔ اب حکومت نے یہ system بھی جاری نہیں کیا ہوا کہ بھائی! آپ permit حاصل کریں اور ڈیزل اپنے علاقے میں لے جائیں۔ یہ permit system بھی نہیں ہے لیکن لوگوں کو تنگ کیا جاتاہے اور ان کے ڈیزل کو ضبط کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے۔

جناب والا! پارلیمنٹ کے کسی ممبر کی کوئی عزت نہیں ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں پارلیمنٹ کے کسی ممبر کی کوئی عزت نہیں ہے۔ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے اور نہ کوئی عزت دیتا ہے۔ صرف باتیں ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ہم میں کمزوریاں ہیں لیکن انشاء اللہ ہم ان چیزوں کو رفتہ رفتہ ٹھیک کریں گے۔ بلوچستان میں تعلیم نہیں ہے۔ تعلیم کی کمی ہے۔ quality of education نہیں ہے۔ وفاقی حکومت کو چاہئیے کہ وہ بلوچستان میں زیادہ سے زیادہ کیڈٹ کالج کھولے تاکہ بلوچستان کے لوگ تعلیم حاصل کریں۔ اگر بلوچستان کے مسائل حل کرنے ہیں تو جہاں بلوچستان کے وسائل سے وفاق نے پچاس سال فائدہ اٹھایا ہے تو اب وفاق کو چاہئیے کہ بلوچستان میں پانچ سال تک قربانی بھی کرے۔ بلوچستان میں کیڈٹ کالج کھولے۔وہاں ترقی دے۔ وہاں کے لوگوں کو آگے لائے تاکہ لوگ تعلیم حاصل کریں۔ بلوچستان کا اصل مسئلہ تعلیم کی کمی ہے۔ وہاں تعلیم نہیں ہے۔ اس لئے وہاں تعلیم عام کرنے کے لئے وفاقی حکومت کو چاہئیے کہ وہ آگے آئے تاکہ وہاں کے لوگ بھی تعلیم حاصل کرکے آگے آسکیں۔ ابھی ہمارے پشین میں ایک ادارہ بنا ہوا ہے۔اس کو دس، بارہ سال ہو گئے ہیں، اس پر کروڑوں روپے خرچ ہو گئے ہیں اور یہ افغان refugees کے fund سے بنا ہے لیکن ابھی تک یہ بند پڑا ہوا ہے۔ کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اسے چالو کرے اور اس پر کام شروع کرے۔ کل میں نے جنرل اشرف صاحب سے کہا کہ وہ اسے دیکھیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ اختیار میرے پاس نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ پھر یہ اختیار کس کے پاس ہے؟ اگر وفاقی وزیر کے پاس اختیار نہیں، صوبائی وزیر کے پاس اختیار نہیں ہے، کسی کے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے تو پھر ہم کیا کریں۔ آخر ہمارے لوگ کدھر جائیں۔ جب وہ کوئی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں تو انہیں کہا جاتا ہے کہ یہ جعلی ڈگری ہے۔ اس کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کو

نوکریاں نہیں ملتی ہیں۔ اب لوگ کوئٹہ سے اسلام آباد آتے ہیں۔ وہ یہاں دس پندرہ دن رہتے ہیں اور یہ غریب لوگ اپنی جیب سے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں اسلام آباد میں ان کو ہزار ' دو ہزار کی نوکری بھی نہیں ملتی ہے تو پھر یہ غریب لوگ کہاں جائیں۔ لوگوں کے مسائل اپنی جگہ پر ہیں۔ اب لوگوں کے مسائل کون حل کرے گا۔ اسلام آباد سیکرٹریٹ میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے ۔ posts announce کرتے ہیں۔ بلوچستان کا quota رکھا جاتا ہے لیکن اس میں صرف ایک seat ہوتی ہے اور وہ ایک چپڑاسی کی seat ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور وہ بھی یہاں کے لوگوں کو مل جاتی ہے اور یہ ہمیں نہیں ملتی ہے۔ یہ معاملات اپنی جگہ پر ہیں۔ بلوچستان کے لوگوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ بلوچستان میں پشتونوں کی آبادی چالیس فیصد ہے لیکن ان کا وفاق میں ایک وزیر بھی نہیں ہے۔ اس کا گورنر بلوچستان میں نہیں ہے۔ اس کو بالکل ignore کر دیا گیا ہے۔

جناب والا! ابھی حال ہی میں مرکز میں جو پارلیمانی کمیٹی بنائی گئی ہے جو establishment میں ملازمتوں کی دیکھ بھال کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس میں تین وزیر ہمارے بلوچ بھائی ہیں لیکن پشتون کوئی نہیں ہے۔ یعنی ہمارے ساتھ ہر سطح پر ظلم ہو رہا ہے۔ ہمارے ساتھ جبر ہو رہا ہے اور یہ کون کر رہا ہے' یہ وفاقی حکومت کر رہی ہے۔ یہ ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔ یہ سب کچھ موجودہ حکومت کر رہی ہے۔ یعنی پشتونوں کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ پشتونوں کو ختم کیا جائے۔ پشتونوں کے کام مت کرو۔ پشتونوں کو عزت مت دو۔ جناب والا! پشتون بھی اس ملک کے رہنے والے ہیں۔ اس ملک کے باشندے ہیں۔ اس ملک میں پشتون رہتے ہیں۔ یہ پاکستان پٹھانوں نے بنایا تھا ۔ جب قائداعظم بلوچستان میں آئے تو نواب محمد خان جوگزئی ، پشتون اور بلوچ سرداروں نے مل کر کہا تھا کہ ہم پاکستان میں شامل ہوتے ہیں۔ اب یہ ہمارا پاکستان ہے۔ اس میں ہم آپ کے ساتھ شامل ہیں لیکن ہماری آگے چل کر آپ کوئی بات نہیں مانیں گے۔ ' اس لئے قائد اعظم صاحب! ہمیں لکھ کر دیں کہ ہم لوگوں کے بھی حقوق ہوں گے تو قائد اعظم نے کہا کہ آپ یہ کیسے توقع رکھتے ہیں کہ میرے ہوتے ہوئے پاکستان میں بلوچستان کے حقوق نہیں ہوں گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ نہیں ہوں گے اور ہمیں یہ نہیں ملیں گے لیکن لوگوں نے ان پر اعتماد کیا اور آج وہی حال ہے کہ پاکستان میں

بلوچستان کے حقوق سے انکار کیا جا رہا ہے اور یہ گزشتہ 57 سال سے ہو رہا ہے۔ یہ بڑی زیادتی ہے ۔ یہ کیوں ہو رہا ہے۔مجھے افسوس ہے کہ اب بلوچستان کے لوگوں کو اس کا جواب کون دے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں بھی گورنمنٹ benches پر ہوں' ہماری side کے بہت سے لوگ پہلے حکومتوں میں رہے ہیں ۔ کوئی وزیر اعلیٰ رہا ہے کوئی گورنر رہا ہے انھوں نے بھی یہ مسائل حل نہیں کیے ہیں۔بلوچستان کا اصل مسئلہ صوبائی خود مختاری ہے ۔ بلوچستان میں ---

جناب چیئرمین، کاکڑ صاحب! وقت کا ذرا خیال رکھیں۔

سینیٹر محمد سرور خان کاکڑ، ہم لوگ چائنا میں گئے' وہاں چائنا کے سنکیانگ کے گورنر نے کہا کہ ہمارا صوبہ autonomous region ہے ۔ وہ بیرونی تجارت بھی خود کرتے ہیں۔ باہر سے قرضے بھی خود لاتے ہیں۔ autonomous regions ہیں لیکن ہم ۵۸ سال سے کبھی مغربی پاکستان میں دو کمشنریز بناتے ہیں کوئٹہ اور قلات کمشنر ، کبھی کیا'، کبھی کیا ۔ افسوس کی بات ہے جناب چیئرمین! یہ حقیقت ہے کہ بلوچستان کے ساتھ زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے ۔ یہ اچھی بات نہیں ہے ۔ہمارے بلوچ بھائیوں کو چاہیے کہ وہ ان باتوں کو ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر سوچ لیں کہ جو مسائل ہمارے حل ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ حل ہوں گے ' یہ میں یقین دلاتا ہوں' اگر نہیں ہوئے تو ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے' ہم ان کے ساتھ رہیں گے ، لیکن ان کو چاہیے کہ یہ مسائل ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر پارلیمنٹ میں لائے جائیں اور چوہدری شجاعت صاحب ان مسائل کو حل کرنے کے لیے تیزی سے کوشش کر رہے ہیں ۔ اگر یہ جمہوریت کے دعوٰی دار ہیں اور پاکستان میں جمہوریت چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ سیاستدان کامیاب ہوں تو سیاستدانوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں مذاکرات کریں اور پاکستان کے مسائل کو مذاکرات کے ذریعے حل کریں ۔ یہ کیا بات ہوئی کہ میں نہیں منتا ہوں ' میں نہیں مانتا ہوں ' میں نہ مانوں ' میں نہ مانوں۔ قوم پرستوں نے ہمیشہ ایک ہی نعرہ سیکھا ہے ' میں نہ مانوں ۔ میں نہیں مانتا ہوں ۔ یہ تو پشتون خواہ والے بھی کوئٹہ میں بات کرتے ہیں کہ میں نہیں مانتا ہوں' کوئی ضلع بڑھتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے ہیں' حالانکہ ضلع پٹھانوں کے مفاد میں ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا ہوں۔ ہم لوگ نہیں مانتے ہیں' یہ ان کی ۵۵ سال سے رٹ لگی ہوئی ہے۔

بھائی مذاکرات کرو۔ فائدہ مذاکرات میں ہے۔ بلوچستان کے مسائل ہیں۔ تمام دنیا میں مذاکرات negotiation یہ سیاستدانوں کا کام ہے۔ اب آپ نے ایک tempo قائم کر دیا ہے۔ یہ tempo اس حد تک پہنچ چکا ہے جس میں مسائل کے حل ہونے کا بڑا آسان معاملہ آ گیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ ان کو چاہیے کہ مسائل کے حل کے لیے ہمارے بلوچ سرداروں سے ، نوابوں سے ، سیاستدانوں سے ملیں۔ ، ڈاکٹر عبدالحئی بلوچ ہے ۔ یہ سارے اچھے لوگ ہیں اور خصوصاً یہ جو جذباتی نعرے لگاتے ہیں ان کو چاہیے کہ جذبات کی بجائے سوچ سمجھ کر ملک کے مسائل حل کریں۔ آئیں ،بیٹھیں، بلوچستان میں مل کر کام کریں۔ پشتونوں کو بھی بہت ساری مشکلات ہیں ، مسائل ہیں ، وفاق سے بھی ہیں صوبے سے بھی ہیں ۔ جناب چیئرمین! ہمارے علاقے میں اور ہمارے صوبے میں بارہ سال سے خشک سالی ہے ، کتنے افسوس کا مقام ہے کہ بارہ سال میں وفاق نے دو سال پہلے ہمارے صوبے کو بارہ سو بوری دی ہے اور وہ بارہ سو بوری سارے بلوچستان میں تقسیم ہو گئی جن علاقوں میں خشک سالی تھی ان کو ignore کر دیا گیا ہے ان کو ایک بوری بھی نہیں دی گئی ہے ۔ سمجھ آ گئی۔ ابھی اللہ تعالیٰ نے برف دی ہے بارش دی ہے۔ لیکن نہ وفاق نہ صوبے میں کوئی نظام ہے نہ کوئی سسٹم ہے ----

جناب چیئرمین: خان صاحب وقت کا خیال رکھیئے۔

سینیٹر محمد سرور خان کاکڑ: کوئی منصوبہ بندی ہے نہ کوئی انصاف ہے اور نہ ہی ہمارے ملک کی سیاست میں ، ہماری پارٹیوں میں کوئی ایسا نظام ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں، ایک دوسرے سے بات کریں اور لوگوں کی باتیں سنیں اور لوگوں کے کام کریں۔ یہ چیزیں تو بہت ہیں۔ اب مشکلات ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بلوچستان پر خصوصی توجہ دیں۔ وفاقی حکومت نے ، جناب پرویز مشرف صاحب نے صدر بنتے ہی بلوچستان میں گوادر deep sea port کی طرف توجہ دی ، کوسٹل ہائی ویز کی طرف توجہ دی کچھی نہر بنائی ۔ بہت بڑا کام تھا۔ اس سے لوگوں کو پانی ملا ، agriculture کو فائدہ ہوا ، لوگوں کو روزگار ملا یعنی بہت کام ہو رہا ہے۔ گوادر بلوچستان کے لئے ہے۔ ٹھیک ہے گوادر میں کوسٹل اتھارٹی بننی چاہیے وہ صوبے کی ہونی چاہیے ۔ صوبائی خودمختاری ہونی چاہیے ، صوبوں کو بہت اختیار دینے چاہئیں۔ ہم کب تک وفاق کے

پاس ایک چپڑاسی کی نوکری کے لئے اسلام آباد آتے رہیں گے۔یہ بڑی افسوسناک بات ہے۔ صوبوں کو اختیار دیں چاہے گوادر اتھارٹی ہو یا کوئی اور وہ صوبے کی ہونی چاہیے ۔ صوبے کے لوگوں کا اس پر اختیار ہونا چاہیے۔

جناب چیئرمین، مہربانی کرکے تقریر ختم کریں۔

سینیٹر محمد سرور خان کاکڑ، ہم نے بھی اپنے صوبے کے لوگوں کی خدمت نہیں کی ہے ۔ ہم سب کہتے ہیں کہ بلوچستان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے حالانکہ بلوچستان کے ساتھ بلوچستان کے لوگ بھی زیادتی کر رہے ہیں ۔ ہم نے بھی کی ہے ،سب نے کی ہے۔ ہم چیختے تو بہت ہیں لیکن کام نہیں کرتے ہیں اگر ہم کام کریں تو بلوچستان میں کام ہوسکتا ہے ۔ پیسے ہیں مگر لیڈرشپ کی کمی ہے اگر لیڈرشپ ہو جائے تو بلوچستان پاکستان کا مستقبل ہے۔

جناب والا! میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔آپ کی بہت مہربانی میں آپ سے صرف ایک عرض کرنا چاہتا ہوں اگر آپ مجھے دو منٹ دیں ۔ ہمارے بھائی رحمت اللہ کاکڑ نے پچھلے اجلاس میں کچھ باتیں کی تھیں کہ میں ان کو چیلنج کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں وہ کہتا ہوں ۔ میں کہتا ہوں یہ سیاست ہے ۔ سیاست میں جس طرح آپ اگر مشرف صاحب کے خلاف بات کرتے ہیں تو، ہم بھی آپ سے ان ہی الفاظ میں بات کریں گے ۔اگر آپ کے پاس شائستہ زبان ہے تو ہم آپ سے شائستہ زبان سے بات کریں گے ۔ اگر آپ ہمارے لیڈروں کے خلاف بات کریں گے تو ہم آپ کے خلاف بات کریں گے ۔ اگر آپ کے پاس ہمارے خلاف کوئی مواد ہے تو آپ بسم اللہ کریں اور سارے ایوان کو خبردار کریں ورنہ ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے ایک سال میز بجائے اس کے بعد ان کے اوپر فرشتے آئے اور انہوں نے LFO کو مان لیا۔ وہ کون سا فرشتہ تھا جو ان کے پاس آیا ہے۔ اگرLFO واقعی ایک اچھا قانون تھا تو پہلے کیوں نہیں مانا؟ ایک سال کیوں لگایا۔

جناب چیئرمین، تشریف رکھیں ۔ ثناء اللہ بلوچ صاحب۔ خان صاحب تشریف رکھیں ۔ کاکڑ صاحب تشریف رکھیں ۔ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تشریف رکھیں مہربانی کرکے تشریف رکھیں۔ جی ثناء اللہ بلوچ۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین، چلیں جانے دیں ۔ آپ نے ایک پوائنٹ کہا انہوں نے جواب دے دیا ... let us finish this میرا خیال ہے تشریف رکھیں کل ایک بات کی تھی رہنے دیں اس کو، رحمت اللہ صاحب تشریف رکھیں ۔ جی ۔

سینیٹر ثناء اللہ بلوچ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ شکریہ جناب چیئرمین! میرے محترم سرور خان کاکڑ صاحب نے بڑے شائستہ انداز میں اپنی پارٹی اور پاکستان میں انصاف کی عدم دستیابی ، مساوات کی عدم دستیابی ، پاکستان میں جمہوریت کے فقدان کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا لہذا اگر حکومت کے درمیان میں ہی سے اس طرح کے دوست نکل کر یہ بات کہتے ہیں کہ بلوچستان اس لئے محرومیوں کا شکار ہے کہ پاکستان جمہوریت سے محروم ہے ۔ بلوچستان اس لئے محرومیوں کا شکار ہے کہ پاکستان میں انصاف اور مساوات نام کی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی تو میرے خیال میں ہم جتنی بھی اس سلسلے میں مزید دلیل دیں تو وہ شاید کم ہو گی کیونکہ جب خود حکومت اس بات کا ادراک رکھتی ہے اور اس بات کو سمجھتی ہے ۔

جناب چیئرمین! میں آپ کا مشکور ہوں ۔ میں اس ایوان میں بیٹھے ہوئے دونوں طرف کے اپنے اراکین سینیٹ کا بھی مشکور ہوں ، تمام سیاسی جماعتوں کا مشکور ہوں کہ انہوں نے بلوچستان کے سنجیدہ مسئلے کو ایک گھمبیر مسئلہ سمجھتے ہوئے اس کے فی الفور حل کے لئے اس دو روزہ یا سہ روزہ اجلاس کو مخصوص کیا اور اس پر بات چیت شروع کی ۔ میں مشکور ہوں پاکستان کے ان تمام اہل علم و دانش کا ، تمام سیاسی جماعتوں کا ، تمام اکابرین کا ، صحافیوں کا اور ان سیاسی جماعتوں کا جنہوں نے خصوصاً 19 جنوری 2005 کو کوئٹہ میں ہونی والی آل پارٹیز کانفرنس اور پھر ایم کیو ایم کے زیر اہتمام 28جنوری 2005 کو ہونے والی آل پارٹیز کانفرنس میں بلوچستان کے مظلوم ، محکوم اور وفاق پاکستان کے جارحیت کے شکار بلوچوں کے ساتھ وہاں کے پشتونوں کے ساتھ اور وہاں کے محکوم انسانوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کا مظاہرہ کیا۔یقیناً تاریخ میں ان کے اس اظہار یکجہتی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

جناب والا! جس طرح محترم سرور خان صاحب نے تاریخ کی ایک ہلکی سی جھلک پاکستان

ساتھ اور وہاں کے محکوم انسانوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کا مظاہرہ کیا۔یقیناً تاریخ میں ان کے اس اظہار یکجہتی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

جناب والا! جس طرح محترم سرور خان صاحب نے تاریخ کی ایک ہلکی سی جھلک پاکستان اور بلوچستان کے سیاسی تعلقات کےحوالے سے دی کہ بلوچستان کا پاکستان کے ساتھ الحاق کیسے ہوا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس چھوٹے سے پاکستان میں جس کا کل رقبہ 7 hundred square kilometer سے زیادہ نہیں، اپنے ہمسایہ ممالک ایران سے اپنے رقبے کے اعتبار سے 100 فیصد چھوٹا ہے، رقبے کے اعتبار سے قریباً افغانستان سےکچھ زیادہ بڑا ہے، انڈیا سے ہم کئی گناہ چھوٹے ہیں لیکن اس پاکستان میں اگر دیکھا جائے تو سب سے زیادہ آمریت کا دور دورہ رہا اور چھوٹے سےمختصر سے رقبے کے لحاظ سے پاکستان میں سب سے زیادہ دور آمریت کا رہا اور اس مختصر سے پاکستان میں اسی پاکستان کی اپنی افواج نے اپنے ہی صوبوں کے لوگوں کے خلاف مسلسل جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلوچستان میں چار military operations منعقد کئے، وہاں نمائش کی یا ان کا مظاہرہ کیا۔

جناب والا! جب 3 جون 1947ء کو Indian Independent Act announce ہوا تو اس کے تحت بلوچستان کو اس کی آزادی اور خودمختاری حاصل ہو گئی کیونکہ بلوچستان کا برصغیر میں تاج برطانیہ کے ساتھ چندمخصوص معاہدات کے تحت اس کا حصہ تھا۔ یعنی 11 اگست 1947ء کو قلات کی آزادی سے لے کر17 مارچ 1948ء کو جب جام لسبیلہ، نواب مکران اور نواب خاران نے کراچی میں وزارت خارجہ کے دفتر میں جا کر اپنی ان تین ریاستوں کا باقاعدہ انضمام نہیں کیا تو ایک بلوچستان اس خطے میں ایک خودمختار حیثیت کا مالک تھا۔ اب بلوچستان کی قربانیوں کو دیکھیں کہ 17 مارچ 1948ء اور پھر اس کے بعد 27 مارچ 1948ء کو خان قلات، بلوچستان کے وسیع و عریض انسانوں کی پارلیمنٹ کی منشاء کے بغیر ان کی آزادی کو سلب کر کے پاکستان کے ساتھ اس لئے شمولیت اختیار کرتا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بننے والا ایک ملک ہے اور اس ملک میں بلوچستان کے لوگوں کی فلاح و بہبود، معاشی، سیاسی، تاریخی اور تہذیبی احساسات اور خواہشات کا احترام کیا جائے گا۔

14 اکتوبر 1947ء کو محمد علی جناح صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ بلوچستان کے

اپنے خطاب میں کہا اور انہوں نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اگر بلوچستان پاکستان کے ساتھ شامل ہوتا ہے تو بلوچستان کو دیگر صوبوں سے اور علاقوں سے زیادہ ترجیح حاصل ہو گی کیونکہ بلوچستان اپنی آزادی سلب کرنے کے لئے تیار ہے، دینے کے لئے تیار ہے۔ بلوچستان اپنا وسیع وعریض جغرافیہ پاکستان کی خوبصورتی میں شامل کرنے کے لئے تیار ہو رہا ہے۔ بلوچستان معدنیات کے وسائل سے مالا مال ہے، بلوچستان ایک دفاعی گہرائی رکھتا ہے، ایک جغرافیائی گہرائی رکھتا ہے جو کہ پاکستان کے لئے ضروری ہے۔

جناب والا! یہ 14 اکتوبر 1947ء کی یقین دہانیاں اور وعدے تھے جن کے تحت 17 اور 28 مارچ 1948ء کو باقاعدہ طور پر بلوچستان پاکستان کا حصہ بنا۔ جناب والا! اس کے بعد کیا ہوا۔ اپنی آزادی سلب کرنے، اپنے وسیع و عریض جغرافیہ کو دینے کے بعد 15 اپریل 1948ء کو پہلی دفعہ بلوچستان میں فوج بھیجی گئی۔ بجائے اس کے کہ بلوچستان کے لوگوں کو ہار پہنائے جاتے، بلوچستان کے انسانوں کے لئے پیار اور محبت کے لفظ کہے جاتے، بلوچستان کے انسانوں کو اس ملک میں ایک باعزت مقام دیا جاتا۔ جناب والا! جب بلوچستان پاکستان کا حصہ بنا تو صرف اس کے 30 دن کے بعد 15 اپریل 1948ء کو قلات میں باقاعدہ ملٹری بلوچستان کو take over کرنے کے لئے بھیجی گئی اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ بلوچستان میں جو چھوٹے موٹے ادارے جو خود ترتیب اور تشکیل پا گئے تھے وہ سارے ادارے ختم کر دیئے گئے۔ پنجاب سے پورے پاکستان سے، even مشرقی پاکستان سے لوگ لائے گئے کہ بلوچ جاہل ہیں، بلوچ کاہل ہیں، بلوچ نالائق ہیں، بلوچ بداعتماد ہیں، ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا اس وقت کے چیف سیکریٹری، چیف کمشنر جو کہ گورنر کا درجہ رکھتے تھے اس نے تمام اچھی زمینیں، اچھی ملازمتیں باہر سے لا کر لوگوں کو دیں اور آج بلوچستان کی demography میں آپ جب census reports میں جائیں گے تو آپ کو یہ پتا چلے گا کہ یہ لوگ کیسے وہاں پر لائے گئے۔ یہاں سے بلوچ اور پاکستان کے تعلقات میں ایک نفسیاتی تشدد اور نفسیاتی تضاد نے جنم لیا۔ اس کے بعد ہمارے اکابرین نے جو آج بوڑھے ہیں، عمر رسیدہ ہیں، اپنی ناسازی طبیعت کی وجہ سے شاید Parliament میں آ نہیں سکتے، جناب والا! یہ سب اس Parliament, ان ایوانوں کا حصہ بنے۔ غوث بخش بزنجو، سردار عطا اللہ مینگل، نواب خیر بخش خان مری، نواب اکبر خان بگٹی، عبدالصمد خان اچکزئی، خان عبدالغفار خان یہ سب انہی اسمبلیوں

میں یہ بات کرتے رہے کہ پاکستان کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان سیاست کی بنیاد پر بنا ہے' پاکستان نے ایک سیاسی فلسفہ کی حیثیت سے جنم لیا ہے۔ لہذا' یہاں پر حقیقی سیاسی فلسفہ رائج ہونا چاہیے' صوبوں کو وہ خود مختاری ملنی چاہیئے جو 1940 کی قرار داد میں مسلم لیگ کے لاہور کے کنونشن میں منظور کی گئی تھی۔ جناب والا! یہاں کے اکابرین نے کوئی غیر معمولی نوعیت کے آئین سے ماورا' قانون سے ماورا' عالمی اصولوں سے ماورا مطالبات نہیں کئے۔ جناب والا! اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ بلوچستان سے آپ کو 347000 square kilometre کا علاقہ ملتا ہے' اس کے بدلے میں 15 اپریل 1948 کا فوجی .operation جناب والا! اس کے بعد اس ملک میں آمریت کو طول دینے کے لئے بلوچستان کے غریب انسانوں کو ہمیشہ قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ 18 اکتوبر 1958 میں پاکستان میں پہلے مارشل لاء کے نفاذ سے قبل 16 اکتوبر 1958 میں بلوچستان میں ایک دفعہ پھر فوجیں بھیجی گئیں۔ میجر جنرل سکندر مرزا نے یہی بہانہ بنایا کہ پاکستان اندرونی خطرات سے دوچار ہے' بلوچ آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ لہذا' خان قلات کے قلعے پر دھاوا بول دیا۔ 6 اکتوبر 1958 کی رات' سردی کی رات جب پورا قلات خالی تھا' لوگ گرم علاقوں میں ہجرت کر گئے تھے' وہاں فوجی operation شروع کر دیا گیا' اس ایک رات میں بیس انسان قتل کر دیئے گئے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس مسجد پر کندہ تھا' وہاں توپ کے گولے لگے جنہیں آج تک بلوچوں نے محفوظ رکھا ہے۔ جناب والا! یہ دوسرا صلہ تھا جو بلوچوں کو ملا۔ اس کے بعد نواب نوروز خان نے ایک سیدھا سا مطالبہ کیا کہ ہم اپنے تشخص' اپنی شناخت سے دستبردار نہیں ہو سکتے' آپ one unit کا جو نظام نافذ کر رہے ہیں' یہ براہ راست قوموں کی شناخت اور تشخص کے منافی ہے۔ لہذا' بلوچستان کی شناخت کو اسی طرح قائم رہنے دیا جانا چاہیے۔ جناب والا! اس 90 سالہ بوڑھے نواب نوروز خان اور تین بیٹوں کو آپ کے صوبے سندھ اور سکھر کی جیلوں میں پھانسیاں دی گئیں۔ ہم سندھ کے تالپور بلوچوں کے مشکور ہیں جنہوں نے ان کی لاشیں بھجوا دیں' military ان کی لاشیں بھجوانے کے لئے بھی آمادہ نہیں تھی۔ یہ بلوچوں کا دوسرا تجربہ تھا' سیاست' جمہوریت کے مطالبات کے حق میں جو ان کو ہوا۔

جناب والا! اس کے بعد بلوچستان نے آپ کو strategic depth یعنی گرم پانیوں تک access دی' بلوچستان نے آپ کو space دیا کہ آپ اپنی nuclear facility develop

کریں اور اس کے بعد اس کو test کریں۔ بلوچستان نے آپ کو سون میانی میزائل test range دی، بلوچستان نے آپ کو Naval Base کی جگہ دی، strategically جو South Asia کا سب سے important region ہے۔ جناب والا! اس وقت جو کہتے ہیں کہ بلوچستان میں چھاؤنیاں ہیں تو اس وقت 43 چھاؤنیاں ہیں، Naval Base ہے، چار بڑی major military army cantonments ہیں، 42 mini military cantonments ہیں۔ اس ملک کے اندر جب محمد علی جناح صاحب کی یقین دہانیوں کے بعد بلوچ پاکستان کا حصہ بنے۔ جناب والا! خدا کی قسم میں تاریخ کے تمام اوراق صبح سے شام تک چھان مارتا ہوں، کہیں پر بھی یہ لفظ نہیں لکھا گیا کہ اگر بلوچ پاکستان کا حصہ بنیں گے تو ان کو انصاف، مساوات اور یہاں پر پاکستان میں احترام آبادی کی بنیاد پر دیا جائے گا، یہ کہیں پر بھی درج نہیں تھا۔ اگر ہمارے آباؤ اجداد کو یہ بتایا جاتا کہ بلوچوں کا اس ریاست میں مقام ان کی آبادی کے اعتبار سے دیکھا جائے گا، اگر بلوچوں کو عزت ان کی آبادی کے اعتبار سے دی جائے گی، اگر بلوچوں کو انصاف ان کی آبادی کے اعتبار سے دیا جائے گا، اگر بلوچوں کے ساتھ مساوات آبادی کی بنیاد پر برتی جائے گی تو جناب والا! میرے خیال میں کوئی بلوچ اتنا جاہل نہیں ہوتا کہ دنیا کے اس سنجیدہ قابل فہم دور میں بھی اپنی آزادی، اپنی خودمختاری، اپنا جغرافیہ سب کچھ سلب کر کے اس طرح کے کسی فلسفے میں داخل ہوتا۔ جناب والا! یہ بعد میں پاکستان کے فلسفے کا حصہ بنایا گیا۔ ہمارے لوگ جب صاف پانی کا مطالبہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کی آبادی چار فیصد ہے، ہم جب یونیورسٹیوں کا مطالبہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کی آبادی چار فیصد ہے، جب ہم بجلی کے استعمال کا مطالبہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کی آبادی چار فیصد ہے، جب ہم انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کی آبادی چار فیصد ہے، جب ہم اقتدار میں شراکت کا مطالبہ کرتے ہیں تو بھی یہی جواب ملتا ہے۔ جب چھاؤنیوں کی بات آتی ہے، میزائلوں کے ٹیسٹ کی بات آتی ہے، نیوکلیئر بم کے ٹیسٹ کی بات آتی ہے تو اس وقت یہ آبادی کا فارمولا کہاں جاتا ہے۔ اس وقت یہ سارے خوش قسمت بلوچوں کے حصے میں آتے ہیں۔ اپنے جغرافیے میں ان کو سمو لیتے ہیں۔

آج بلوچ کی اس نفسیاتی الجھن کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس انتشار کے پیچھے، اس تشدد کے پیچھے اور اس کے بعد ۱۹۷۰ء کے انتخابات ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں پہلی دفعہ NAP ایک بھرپور

اکثریت کے ساتھ بلوچستان میں اپنی حکومت بناتی ہے۔۱۹۷۱ء میں پاکستان کی تسخیر ہوتی ہے۔۱۹۷۲ء میں سردار عطاء اللہ مینگل کو وزیر اعلیٰ بلوچستان نامزد کیا جاتا ہے۔ ۹ مہینے کی مختصر مدت میں جس کو سردار کا لقب دیا جاتا ہے، جس طرح میری بہن نے فرمایا کہ سردار بلوچستان کے دشمن ہیں۔ آج جس یونیورسٹی سے میں پڑھا ہوں وہ ۱۹۷۲ء میں سردار عطاء اللہ مینگل کی بنائی ہوئی تھی۔ بلوچستان میں ۱۹۷۲ء سے قبل Board of Intermediate and Secondary Education بھی نہیں تھا۔ ہم ملتان بورڈ کے ساتھ منسلک تھے۔ یہ سردار عطاء اللہ مینگل کی مرہون منت ہے۔ اسی لئے تو لوگ ان کے پیچھے جاتے ہیں۔ جناب والا! بلوچستان میں ایک بھی میڈیکل کالج نہیں تھا یہ بھی انہی کی حکومت نے بنایا۔ بلوچستان میں کوئی انڈسٹریل زون نہیں تھا۔ اب اس انڈسٹریل زون سے دوسرے صوبے کے لوگ فائدہ لے رہے ہیں یہ بھی ان کا بنایا ہوا تھا۔ صرف ۹ مہینے کی مختصر مدت میں اس نے انقلابی تبدیلیاں لائیں اور ان انقلابی تبدیلیوں سے کون ناخوش تھا؟ جناب چیئرمین! آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ ان انقلابی تبدیلیوں سے ناخوش اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے لوگ تھے۔ بلوچستان کی پسماندگی کے پیچھے، آپ سب لوگ سن لیں، میں حلفیہ یہ کہتا ہوں کہ بلوچستان کی پسماندگی کے پیچھے بلوچستان کے اپنے عوام نہیں، بلوچستان کے اپنے سردار نہیں، بلکہ یہ اسلام آباد کا strategic decision تھا، اس کی دفاعی حکمت عملی کا حصہ تھا کہ بلوچستان میں سڑکیں نہیں بننی چاہئیں اور بلوچستان میں یونیورسٹیاں نہیں بننی چاہئیں۔ ۱۹۷۳ء میں جب سوویت یونین کے حکمران پاکستان آئے۔ بھٹو صاحب کے جب ان کے ساتھ اچھے تعلقات تھے تو انہوں نے offer کیا تھا کہ اورمارہ، پسنی یا گوادر میں ہم ایک base بنانا چاہتے ہیں، ایک بندرگاہ بنانا چاہتے ہیں اور پھر اس کا road access دینا چاہتے ہیں قندہار، ماسکو اور پھر سنٹرل ایشیاء کے ساتھ۔ جناب والا! اس وقت تو کوئی بلوچ رکاوٹ نہیں تھا۔ اس وقت اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ یہاں پر infrastructure کی ترقی، یہاں سڑکوں کی فراہمی اور یہاں صنعتوں کی فراہمی سوویت یونین کے لئے گرم پانیوں تک رسائی کے لئے آسان ہوگا۔ It was the strategic decision. جناب والا! اس میں کسی غریب بلوچ کا، آج کے بیچارے بلوچ کا، آج کے برہنہ پا بلوچ کا، آج کے ننگ دھڑنگ بلوچ کا اور آج سرکار کی گولیوں اور لاٹھیوں کے شکار بلوچ کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ پالیسی کب تبدیل ہوئی۔ ۱۹۹۱ء تک یہ

لائبریری پڑی ہوئی ہے۔یہ ساری کتابیں ادہر سے لائی ہوئی ہیں۔ کتنی یہاں پر ایوانوں میں تقریریں ہوئیں۔ کس بلوچ اکابر نے یہاں تقریر میں کہا ہے کہ بلوچستان کو پسماندہ رکھو۔ میں نے ہر اپنے لیڈر کی تقریر پڑھی ہے۔ اس میں بجلی، پانی، سکول، یونیورسٹی اور بلوچ عزت نفس، پشتون عزت نفس اور محکوم انسانوں کی عزت نفس کی بات کی گئی تھی۔

جناب والا! جو جارحانہ ترقیاتی عمل جس کو میرے دوست بلیدی صاحب نے کہا میگا ہڑپ پالیسی۔ جس کو mega development کہا جا رہا ہے یہ mega exploitation کی پالیسی کب تبدیل ہوئی؛ 9/11 سے قبل جب ۱۹۹۸ء میں، جب ہم طالبان کے وقت میں پاکستان کی دفاعی، جغرافیائی اور معاشی گہرائی کابل اورکشمیر میں دیکھ رہے تھے۔ جب کابل اورکشمیر مزید ہماری جغرافیائی معاشی گہرائی کی وجہ نہ بن سکے، جب ہم کابل اورکشمیر فتح نہ کر سکے تو جناب والا! ہمارے لئے صرف ایک بلوچستان کا وسیع و عریض جغرافیہ رہ گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اسلام آباد بلوچستان کی تمام دولت سے فائدہ اٹھائے لیکن کیا اسلام آباد کی یہ پالیسی ہے کہ وہ استحصال کرے؛ وہ وہاں پر لوٹ مار مچائے، زمینوں پر قبضہ گیری کرے۔ ہمارے اوپر چھاؤنیاں بنا کر ہمیں بندوق کی نوک سے ڈرانے اور دھمکانے کی کوشش کرے۔ ہمارے آباؤاجداد کی تاریخ اور تہذیب کو مسخ کرکے یہاں استحصال کا عمل جاری کرے۔ جناب والا! اگر یہی چیز ہونی تھی تو پھر ہم نے انگریزوں کی مخالفت کیوں کی؛ قیام پاکستان کے بعد آج تک ۲۵ کلو میٹر ریلوے لائن بھی حکومت پاکستان نے اپنے فنڈز سے نہیں بچھائی لیکن انگریز نے ۱۲۵۰ کلو میٹر طویل ریلوے لائن بلوچستان میں بچھائی۔ اس نے وہ سڑک بنائی جس کا ہم کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیا ہمارے آباؤاجداد پاگل تھے کہ ہم نے اپنی عزت کے لئے، اپنی شناخت کے لئے، اپنی عزت نفس کے لئے انگریزوں کے خلاف ۱۲۰ جنگیں لڑیں؟

جناب والا! غیرت، عزت نفس الگ چیز ہوتی ہے، اس کو ترقی کے نقطہ نگاہ سے یا معاش کے نقطہ نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ آج بلوچ اس وفاق میں ایک باعزت مقام کا طالب ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اگر اسے کوئی خصوصی مقام نہیں، اسے غیر معمولی مقام نہیں، اسے کوئی بے جا استحقاق نہیں لیکن پاکستان کا برابر کا شہری تو سمجھا جائے۔

جناب والا! ملک میں 92 universities ہیں، آپ ڈھونڈیں بلوچستان میں آپ کو ایک

ملے گی، 1313 technical, vocational, commercial and educational colleges ہیں اور بلوچستان میں صرف 18 ہیں 1313 میں سے۔ جناب والا! میں آپ کو جناب والا! کون سے figures دوں۔ میرے بہت سے ناقدین دوست کہتے ہیں کہ پنجاب فائدہ نہیں لے رہا۔ ایسی بات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ 1953 میں جب گیس نکلی تو 1964 تک 47 million مکعب فٹ گیس فی یوم کے حساب سے صرف ملتان اور راولپنڈی کو دی جاتی تھی۔ 1986 میں جب کور ہیڈکوارٹر کوئٹہ میں بنا تو بلوچستان کو گیس کی سہولت ملی۔ چلو یہ بھی شکر ہے، ہم کہتے ہیں آپ نے ہمارے ساتھ مہربانی کی۔ آج ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے دوست کہتے ہیں کہ بلوچستان کو مطمئن کرنے کے لیے آئینی ترامیم کی جائیں گی۔ یہ 1973 کا آئین میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کا Article 158 ہے جس میں یہ واضح طور پر درج ہے کہ گیس کے ذخائر جس صوبے میں موجود ہوں گے سب سے پہلے اس صوبے کے لوگوں کو گیس کے ذخائر پر فوقیت حاصل ہوگی کہ وہ اسے استعمال کریں۔ کس نے اس آئین کو اہمیت دی ہے؟ تین بار اس کو جوتوں کے نیچے روندا گیا ہے، اس کے کسی آرٹیکل کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ ان ایوانوں کی کوئی اہمیت نہیں اور آج بھی، ہم کسی کے مخالف نہیں، ہم کسی صوبے کے مخالف نہیں، کسی شخص کی ترقی کے مخالف نہیں لیکن جناب والا! اپنی ترقی کے لیے لڑنا، بات کرنا، جدوجہد کرنا، اور اگر ضرورت پڑی تو اپنی ترقی کے لیے مزاحمت کرنا یہ ہمارا بنیادی، فطری، انسانی، اسلامی اور بلوچی حق اور اقدار ہیں، ان کو ہم جاری رکھیں گے۔

آج ہم صرف یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ آج بھی پاکستان کی کھاد کی صنعت گیس کی مرہون منت ہے یا گیس کے ساتھ وابستہ ہے۔ میں نے آج سے چھ مہینے پہلے جب اپنی تقریر میں یہ بات کی تو کافی لوگ ہنس پڑے اور جب اس دفعہ صرف تین دن کے لیے گیس بند ہوئی تو آپ کو پانچ ہزار میٹرک ٹن کھاد درآمد کروانی پڑی، کیا نہیں کرانی پڑی، آپ کی دو دن کی گیس کی بندش کی وجہ سے کتنا صنعت کو نقصان پہنچا۔ آج بلوچستان چالیس فیصد گیس پیدا کرتا ہے اور چالیس فیصد گیس پیدا کرنے والا صوبہ اپنی گیس کا صرف دو فیصد استعمال کر سکتا ہے، محرومی نہیں ہوگی تو کیا بلوچستان میں محبتیں ہوں گی۔

آج جناب والا! پاکستان میں یہ جو ہم روشنیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، یہ روشنیاں محکوم

اور محروم عوام کی دی ہوئی ہیں، سندھ اس وقت gas % 54 فراہم کرتا ہے ، بلوچستان % 40 gas پیدا کرتا ہے ۔ پختونخواہ صوبہ کی electricity generation میں contribution % 28 ہے ۔ پاکستان کی سو فیصد بجلی تین محکوم و محروم صوبوں سے آتی ہے۔ میرے پاس یہ واپڈا کے اعداد و شمار ہیں ۔ Punjab consume % 63 electricity کرتا ہے اور بلوچستان % 5. electricity consume کرتا ہے ۔ megawatt 17794 میں سے بلوچستان کے حصے میں آج بھی، "ڈان" میں رپورٹ ہوئی اس کو پڑھیں، تین سو میگاواٹ اس کے حصے میں آتی ہے ۔ قسم خدا کی آبادی کے برابر بھی بجلی نہیں دے رہے ، بجلی کی زکوٰۃ بھی نکالتے تو بلوچ آپ کے ممنون و مشکور ہوتے، گیس کی زکوٰۃ نکالتے تو بلوچ آپ کے ممنون و مشکور ہوتے، آپ اپنے وفاق کی خیرات اور زکوٰۃ ہمیں دیتے، ہم آپ کے ممنون و مشکور ہوتے لیکن آپ نے چار military operations دیے ۔ 1977 - 1973 کے فوجی اپریشن میں Sir Agirson نے اپنی کتاب In Afghanistan Shadow Baloch Nationalism and Soviet Ambition میں یہ لکھا ہے جو ہماری ملٹری آج تک چھپاتی ہے ، وہ بڑی traditional قسم کی resistance تھی ۔ اس میں جناب والا! پانچ ہزار بلوچ مارے گئے، ایک دن میں کوہلو کے علاقے میں operation میں آٹھ سو غریب میری ماؤں بہنوں اور بچوں کو کوبرا ہیلی کاپٹر کے ذریعے روند ڈالا گیا ۔ اس میں ساڑھے تین ہزار فوجی ہلاک ہوئے، آج دنیا بڑی ترقی کر گئی ہے، اگر کوئی مذمت کی بات کرتا ہے، بندوق سے ڈرانے کی بات کرتا ہے ، توپ اور ٹینک بھیجنے کی بات کرتا ہے ، دنیا کے اندر conflicting zones کو دیکھیں ، دنیا کے اندر ہونے والی مذمت کو دیکھیں، اس کی حکمت عملی کو دیکھیں ، مذمت کاروں کی حکمت عملیاں دنیا میں فوجوں کی حکمت عملیوں سے زیادہ ترقی کر گئی ہیں ۔ اگر کوئی military strategies پر بات کرتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ بلوچستان کے square kilometer area 3,47000 میں کہاں کہاں فوج بھیجو گے ۔ جناب معاملات فوج سے نہیں، پیار اور محبت سے حل ہوتے ہیں اور اسی پیار اور محبت کے تحت جناب والا! جب یہاں پر چوہدری شجاعت صاحب نے بلوچستان کی کمیٹی کی announcement کی ، پہلا شخص میں تھا جس نے اٹھ کر تقریر کی۔ میں نے کہا بلوچستان کا معاملہ ان terms of reference کے تحت 90 دن میں حل ہو گا۔ میں نے اگر محبت، نیک نیتی اور خلوص سے کہا کہ بلوچستان کا مسئلہ 90 دن

میں حل ہو سکتا ہے۔ بلوچ اس وفاق میں اپنے لیے ایک باعزت مقام کا طالب ہے۔ بلوچ اس دستور میں دی گئی تمام 280 سے زیادہ دفعات اور Articles ہیں، اس دستور میں دیئے گئے Articles کے تحت انسانیت کا طالب ہے۔ وہ جو چیزیں پیدا کرتا ہے، اس میں آپ ان کی پیداوار کے مطابق بلوچ کو اس کا حق دیں۔ ہم 40% گیس پیدا کرتے ہیں، جب Ministry of Natural Resources میں ملازمتوں کی بات کرتے ہیں، کہتے ہیں آپ کی آبادی 4% ہے۔ خدا کے بندو ہمیں وہاں پر کم از کم resources والی منسٹری میں 40% ملتیں۔ یہاں پر Coast Guard کی بات ہوئی جناب والا! 70% Coast ہماری ہے۔ 12,000 Coast Guards میں صرف 8% مقامی لوگ ہیں۔ 60% پنجاب سے آتے ہیں۔ 28% سندھ سے آتے ہیں، 12% پختونخواہ سے آتے ہیں اور 10% merit سے آتے ہیں، مگر merit بھی بلوچستان سے زیادہ ہے تو 3%, 4% ہے۔

جناب والا! Frontier Corp یہ Constitution کا Article 15 ہے۔ آج بلوچ کی محرومی ہے، اس کی وجہ کیا ہے۔ 584 Check Posts اسی Parliamentary Committee میں Coast Guards کی Presentation دی گئی ہے کہ ہماری 584 Check Posts ہیں یعنی بلوچستان کی 6.5% million کی آبادی، جو 1998 کی مردم شماری کے مطابق ہے، اگر اس کو تقسیم کریں 11135 افراد پر ایک Check Post بلوچستان میں ہے جس کا بنیادی مقصد کیا ہے کہ بلوچستان کے عوام کی سماجی، بلوچستان کے عوام کی معاشی، بلوچستان کے عوام کی انسانی آزادی نقل و حمل اور حرکت کو پابند کریں جو Constitution کے Article 15 کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ یہ باتیں ہم نے کافی پیار و محبت سے یہاں کی تھیں۔ لوگ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے تھے۔ یہاں پر تو جناب والا! 65 ممبران کی کابینہ ہے۔ اپنی شاہ خرچیاں ہیں۔ اپنے مزے ہیں۔ اپنے مسائل ہیں، اپنی مشکلات ہیں اور اپنے مفادات ہیں۔ یہاں لوگوں کو اس وفاق پاکستان کا فکر نہیں۔ لوگوں کو اپنی ذاتی فکر سے نکل کر پاکستان کی بات کرنی ہو گی۔ پاکستان کی جب بات ہو گی تو آدھا پاکستان میرا ہے، کسی کے باپ کا نہیں۔ جب غداری اور وفاداری کے طعنے ہمیں دیے جاتے ہیں تو میں پہلا انسان ہوں، حق رکھتا ہوں کہ میں دوسروں کو اس سے زیادہ غداری کرنے والا کہوں۔ پانچ ہزار سال سے میرے آباؤاجداد کی ہڈیاں

اسی زمین میں مدفن ہیں جب کہ جو اس ملک کے حکمران ان کے دو پشتوں کی ہڈیاں بھی موجودہ پاکستان میں موجود نہیں ہیں۔ اگر بات وفاداری اور غداری کی ہوتی ہے تو مجھ سے زیادہ اس جغرافیے کا وفادار کوئی نہیں۔ مجھ سے زیادہ یہاں کے انسانوں کا وفادار کوئی نہیں۔ ان کے حقوق کی بات کرنے والا کوئی نہیں۔ آج جناب والا! سوئی کا جو معمولی سا واقعہ ہے، کیا وجہ تھی، جس طرح بلیدی صاحب نے فرمایا، یہاں پر جو قومیں رہ رہی ہیں ان کے کچھ codes of conduct ہیں، codes of ethic ہیں، کچھ ان کی روایات ہیں جن کے تحت وہ زندہ ہیں جو اپنی انفرادیت کا دعوی کرتے ہیں۔

جناب والا! ایک چھوٹا سے واقعہ ہوا، اگر ایک شخص اس میں بے شک بیگناہ ٹھہرتا، دوسرا ٹھہرتا کسی پر یہ الزام عائد کر دیا گیا تھا تو اس الزام کے تحت کیپٹن چاہے اس کا ملٹری سے تعلق ہے یا کسی کا رشتے دار ہے یا کسی خصوصی force میں ایک مقدس گائے کہلانے والی Force ہے، جناب والا! اس کو simply جو criminal ایک procedure ہے اس کے تحت اس کو تھانے میں بھیج دیا جاتا، پانچ یا چھ دن تک انکوائری ہوتی، وہ اپنی بیگناہی ثابت کرتا تو کوئی بلوچ اتنا جاہل نہیں ہے کہ وہ دنیا کے موجودہ قوانین کو نہ سمجھ سکیں۔ کیا ہوا جناب والا! کل امان اللہ کنرانی کی تقریر سنی کہ جس جس طریقے سے اس عورت کی عصمت دری کی گئی ہے۔ سات دن تک اس بات کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔ جب سات دن کے بعد لوگوں کا احتجاج ہوا اور اس احتجاج پر بھی گولیاں برسانے والے پہلے Frontier Corp اور DSG کے لوگ تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے جناب والا! یہ فطرت ہے غاصب اور چور گھر میں جانے والے کی لاش سے بھی ڈرتا ہے۔ بگٹی تو زندہ انسان ہیں۔ دو پاؤں اور دو کان ان کے ہیں، دو آنکھیں ہیں وہ جب چلتے ہیں غاصب قوتیں جو وہاں پر آئی ہوئی ہیں، جو ان کی ملازمتوں پر غاصب ہیں، جو ان کے وسائل پر غاصب ہیں جناب والا! ایک مقولہ ہے کہ آنے والا غاصب اور چور گھر والے کی لاش سے بھی ڈرتا ہے۔ وہاں تو زندہ انسان ہیں۔ DSG اور FC نے اپنے خوف کے مارے، خوف کے ڈر سے وہاں پر firing کی، اس firing میں کل یہاں پر امان اللہ کنرانی نے نام آپ کے سامنے پڑھ کر سنائے تو چھ Civilians شہید ہوئے ہیں جب کہ DSG کے چار لوگ بعد میں مارے گئے اس کے reaction میں اور یہ جناب والا بڑا controlled damage تھا۔ PPL ایک منافع بخش ادارہ

سے وہاں پر firing کی، اس firing میں کل یہاں پر امان اللہ کنرانی نے نام آپ کے سامنے پڑھ کر سنائے تو چھ Civilians شہید ہوئے ہیں جب کہ DSG کے چار لوگ بعد میں مارے گئے اس کے reaction میں اور یہ جناب والا بڑا controlled damage تھا۔ PPL ایک منافع بخش ادارہ ہے۔ 1973 کے Constitution کے Article 245 اور 243 کے تحت افواج پاکستان کو سیاست، منافع بخش کاروباری اداروں کے مفادات کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا، یہ اس دستاویز میں درج ہے لیکن آج PPL اپنا منافع کس کو دیتا ہے؟ وہ ان لوگوں کو جاتا ہے جن کے PPL میں shares ہیں تو جناب والا! آج وفاق پاکستان اپنے سب سے بڑے وفاقی وحدت کے خلاف، جارحیت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ Article 243 اور 245 کی براہ راست violation اور براہ راست اس کے برعکس فیصلہ کر کے فوجیں وہاں بھیجی گئی ہیں اور یہ جناب والا! misuse of armed forces میں آتا ہے۔ Armed Forces سیاسی مقاصد کے لیے، منافع بخش مقصد کے لیے اپنے علاقوں میں جارحیت کی مرتکب نہیں ہوسکتیں۔

آج جس طرح یہاں پر امان اللہ کنرانی نے کہا کہ 1954 سے نکلنے والی گیس کو یہی بقول آپ کے جاہل بگٹی، پاگل بگٹی، غریب بگٹی، فلاں جو بھی آپ ان کو نام دیں، یہ آپ کی اس پائپ لائن کی حفاظت کر رہے تھے۔ آپ کے چولہے جل رہے تھے اور ان کے گھروں میں جلانے کے لیے لکڑی نہیں تھی۔ آپ یہاں پر کارخانوں سے در آمد اور برآمد کے کاروبار کر کے پیسے بنا رہے تھے اور وہاں پر وہ قحط سالی سے مر رہے تھے لیکن آج تک ان بگٹیوں نے اس پائپ لائن کو نقصان نہیں پہنچایا۔

جناب والا! یہ controlled damage تھا۔ اس کو PPL نے خود براہ راست ایسا damage کیا کہ وہ اپنے اس جرم کو چھپانے کے لیے اس کو justification چاہیے تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پر Cantonment بنانا تھا۔ اب Cantonment بنانے کے پیچھے نیت کیا ہے جناب والا! یہ بات سمجھنے کی ہے۔ بلوچستان وسائل سے بھرپور ہے کسی کو اس میں شک نہیں ہے۔ بلوچستان کے دو اضلاع جو مشرقی بلوچستان میں ہیں، جن کی سرحدیں پنجاب کے ساتھ ملتی ہیں ڈیرہ بگٹی اور کوہلو کی سرحدیں براہ راست پنجاب کے ساتھ ملتی ہیں کسی دشمن ملک کے ساتھ نہیں ملتیں۔ 8000 Square Kilometer Area ہے ڈسٹرکٹ کوہلو کا۔ ڈسٹرکٹ کوہلو

تیل اورگیس کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ میں نے دس دفعہ یہاں پر کہا تھا' چوہدری نوریز شکور صاحب یہاں پر ہوتے تھے' میں نے کہا کہ بلوچ بھی وفاقی حکومت کی اس استحصالی پالیسی کے تحت بلوچستان سے تیل اورگیس کے نکالنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ کتنی گردنیں آپ نے مارنی ہیں' مار دو۔ کتنی پھانسیاں چڑھوانی ہیں چڑھوا دو' کتنے سینے آپ نے بھون ڈالنے ہیں' بھون دو' بلوچ ایک منصفانہ نظام چاہتا ہے۔ ہم نے یہ پارلیمانی کمیٹی میں بھی recommend کیا تھا کہ Oil and Gas, Natural Resources جو ہیں یہ federating units کو دے دو۔ کل خدا کرے اس پنجاب میں ہیرے ' جواہرات نکل آئیں' بلوچ یہ نہیں کہیں گے کہ اس کو وفاق کو دے دو۔ لہذا قدرتی وسائل ہیں جو بھی ہیں وہ آپ صوبوں کو دے دیں۔ صوبے جانیں ان کے exploration اور ان کے exploitation rights جو ہیں وہ آگے کس کو دیتے ہیں اور کس طرح rate مقرر کرتے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے کہا کہ یہ انصاف ہے کہ بلوچستان کی گیس 47 روپے per British Thermal Unit خریدی جاتی ہے جب کہ پنجاب سے نکلنے والی پنج پیر کے Well سے نکلنے والی گیس جس کا eating valueسوئی کے eating value سے تین گنا کم ہے وہ 222 روپے Per MMBTO خریدی جاتی ہے۔

جناب والا! ہم تو یہاں انسانوں کی بات کر رہے ہیں' یہاں پرگیس جس کی پوری دنیا میں قیمت یکساں ہے وہ بھی اس وفاق میں نسلی امتیاز کا شکار ہے اور جب ہم بات کرتے ہیں بلوچ اپنے مطالبات کی تو جناب والا! ایک غیر آئینی طور پر منتخب صدر جو Article of the Constitution کے تحت properly elected نہیں ہے ' nominated نہیں ہے ' اس کرسی پر براجمان نہیں ہے' وہ آ کر کہتا ہے کہ ہم ان کو ایسا crush کریں گے کہ تاریخ دیکھ لے گی۔ ہم آپ کو ایسی جگہ سے ماریں گے کہ آپ کو پتا بھی نہیں ہو گا کہ آپ کو کس نے مارا ہے۔

جناب والا! میں نے پہلے بھی ذکر کیا بلوچ اپنے جغرافیے کی بقا کے لیے ہم اسی constitutional legal framework میں رہتے ہوئے ایک باعزت مقام کے طالب ہیں' کوئی دیتا ہے یا نہیں ہم بھائیوں کی طرح رہنے کے لیے تیار ہیں لیکن اگر کوئی crush کرنے کی بات کرتا ہے جناب والا! 13 نومبر 1839 میں میر مہراب خان پہلا خان آف قلات تھا' Ruler بلوچستان تھا جو انگریزوں کے ساتھ جنگ لڑتے ہوئے شہید ہوا۔ ٹیپو سلطان کے بعد کوئی اگر براہ

انگریزوں کی مذمت پڑھیں، اپنے Royal Academy میں ابھی تک بلوچوں کی چھاپہ مار مزاحمتی جنگ کے بارے میں اپنے بچوں تک کو وہ پڑھاتے ہیں اور آپ اپنے ہی صوبے کے لوگوں کو۔ -- آپ ان کو فوج میں بھرتی کرتے، ان کو Coast Guard میں لیتے، Frontier Corp میں لیتے، آپ ان کو اپنے ملک کی دفاع کا حصہ بناتے، آپ ان کے اوپر جارحیت کر رہے ہیں۔ ان کو crush کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ ان کو ختم کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ وہ constitutional, political demand کرتے ہیں اور آپ مکا دکھاتے ہیں۔ جناب والا! یہ اکیسویں صدی ہے۔ اگر اس طرح مکوں سے چلتا تو یوگوسلاویہ چلتا، پھر سربوں کی بادشاہی ہوتی، پھر دوسری چھوٹی قوموں کو آج سربوں کا غلام بنایا جاتا۔ اگر اس طرح چلنا ہوتا تو سوویت یونین چل رہا ہوتا۔ میرے دوستوں نے بڑے جمہوری اور سیاسی انداز میں کل یہاں پر سارے دوستوں نے، امان اللہ کنرانی، رضا محمد رضا صاحب نے بلیدی صاحب نے بات کی۔ ہماری demands کیا ہیں؟ ہم نے اس پارلیمانی کمیٹی کو۔ آپ کے والد صاحب جب سینیٹ کے رکن تھے اس وقت ایک کمیٹی بنی '' special committee of the Senate, the situation in Sindh یہ اس کی رپورٹ میرے سامنے ہے۔ ہمیں تو یہ پہلے سے پتا تھا کہ یہاں پر قابل فہم، دور اندیش، سنجیدہ، مہذب لوگ نہیں ہیں جو بلوچ کے دکھ کو، درد کو، تکلیف کو سمجھ سکیں لیکن ہم نے کہا کہ دنیا ہمیں ملامت کرے گی کہ یہ تو جاہل ہیں صبح سے شام تک لڑنے جھگڑنے کی بات کرتے ہیں چلو ان کے ساتھ کوئی قاعدہ قانون کی بات کرتے ہیں۔ تاریخی حقائق کی بات کرتے ہیں، National International principle کی بات کرتے ہیں شاید کسی کو سمجھ آجائے۔ جب میں نے پہلی presentation دی تھی اس میں پروفیسر خورشید صاحب اس بات کے گواہ ہیں، ہم نے کوئی ایسی demand نہیں کی ہم نے CDM اور pre-requisites--- ہم نے کہا جناب والا! آپ کہتے ہیں ہم جمہوریت کے دلدادہ ہیں۔ ہم قانون کے دلدادہ ہیں۔ ہم ان منتخب اسمبلیوں کے دلدادہ ہیں۔ ہمیں پنجاب اسمبلی نے ایک resolution پاس کر کے دیا کہ صدر کا وردی میں رہنا ضروری ہے اس کو ہم واشنگٹن تک امریکہ تک لے گئے۔ یہ ایک بلوچستان اسمبلی کی منظور شدہ قرارداد ہے۔ مورخہ 18 اکتوبر 2003 یہ قرارداد پاس کی گئی اور میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ "یہ کہ وفاقی حکومت بلوچستان میں چھاؤنیاں، کوہلو، ڈیرہ بگٹی اور گوادر میں تعمیر کرنا چاہتی ہے جو محض

رہنا ضروری ہے اس کو ہم واشنگٹن تک امریکہ تک لے گئے۔ یہ ایک بلوچستان اسمبلی کی منظور شدہ قرارداد ہے۔ مورخہ 18 اکتوبر 2003 یہ قرارداد پاس کی گئی اور میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔"یہ کہ وفاقی حکومت بلوچستان میں چھاؤنیاں، کوہلو، ڈیرہ بگٹی اور گوادر میں تعمیر کرنا چاہتی ہے جو محض بلوچستان میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے تعمیر کی جا رہی ہیں تاکہ متذکرہ بالا علاقوں میں جو وسائل ہیں وہ وسائل بلوچستان کی عوام کی منشا اور رضا کے برعکس ان کے استحصال میں استعمال ہوں۔ یہ جناب والا! ایک منتخب اسمبلی کے الفاظ ہیں جبکہ یہاں کے عوام کا موقف ہے کہ یہاں کے تمام قدرتی وسائل کے مالک یہاں کے عوام ہونگے۔ یہاں کے وسائل بلوچستان کی عوام کے فلاح و بہبود پر خرچ ہوں۔ نیز ان چھاؤنیوں کے قیام کے سلسلے میں وفاقی وزیر داخلہ کا بیان بھی دھمکی آمیز ہے، نیز ژوب، چمن اور نوشکی بارڈر پر تعینات فورس فوری طور پر ہٹائی جائے۔" محمد اعظم داوی ڈپٹی سیکرٹری کے دستخط۔ یہ قرارداد متفقہ طور پر پاس کی گئی ہے اس پر بلوچستان میں موجودہ مولانا عبدالباسط صاحب سنیئر منسٹر ایم ایم اے کے دستخط ہیں، کچکول علی ایڈووکیٹ صاحب کے اور ان کے دوسرے اراکین کی جانب سے۔ یہ ذرا چیئرمین صاحب کو دیں اگرچہ یہ قرارداد ہمارے حکمرانوں نے چیئرمین صاحب تک پہنچنے نہیں دی ہے۔

اس کے بعد دوسری قرارداد۔ دوسری قرارداد بھی یہی ہے، جس طرح میں نے چیک پوسٹ کا ذکر کیا۔ سی بی آر نے اپنے چیک پوسٹ ختم کئے۔ پاکستان کوسٹ گارڈ اور فرنٹیئر کور بلوچستان میں گزشتہ تیس سالوں سے 584 چیک پوسٹوں پر تعینات صوبیدار، کیپٹن، کرنل اور میجروں کے اگر assets نکال دیں تو ایمانداری سے پاکستان کو تیرہ ارب ڈالر اور مل جائیں گے۔ بلوچستان کے لوگوں کی جس طرح کی معاشی عصمت دری وہاں پر فرنٹیئر کور کی قائم چیک پوسٹوں نے کی ہے اس کی مثال جناب والا! اسرائیل میں، کشمیر میں اور چیچنیا میں بھی نہیں ملتی۔ اسی کے خلاف ایک اور قرارداد جو بلوچستان نے متفقہ طور پر پاس کی ہے۔ میں نے کمیٹی میں یہی بات کی تھی کہ ثناء بلوچ کو چھوڑو، جاہل ہے، کاہل ہے، جذباتی ہے، قانون اور آئین سے ماورا بات کرتا ہے۔ بلوچستان اسمبلی نے متفقہ طور پر قراردادیں پاس کی ہیں ان کا احترام کیا جائے۔ پروفیسر صاحب اس بات کے گواہ ہونگے۔ یہ دوسری قرارداد ہے، مشترکہ قرارداد نمبر 27 منجانب مولانا عبدالباط سینئر منسٹر again عبدالرحیم، کچکول علی ایڈووکیٹ اپوزیشن لیڈر بلوچستان،

کی وجہ سے لوگوں کو صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں جانے کے لئے دشواری پیش آتی ہے۔ بلکہ چمن کا پورے ملک سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ جو کہ انسانی حقوق کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ لہذا یہ ایوان صوبائی حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ کوئٹہ چمن شاہراہ عوام کے لئے حسب سابق کھولا جائے"۔ اس کی کاپی بھی میں آپ کو فراہم کردوں گا۔ اسی طرح کی 62 قراردادیں ہیں۔ میں جب 1997 میں نیشنل اسمبلی کا ممبر تھا 99 تک جناب والا! اس طرح کی کئی قراردادیں اسمبلی میں پڑھ کر سناتا رہا۔ یہاں پر وسیم سجاد صاحب موجود نہیں ہیں کل ان کا ٹی وی پر انٹرویو چل رہا تھا کہ جی ہم سوچ رہے ہیں کہ Concurrent List جو 47 subjects پر مشتمل ہے وہ صوبوں کے حوالے کریں۔ رضا محمد رضا نے کل بڑی خوبصورت بات کی۔ کہ جناب والا! آپ جب فیصلہ وقت پر نہیں کرتے تو پھر مطالبات میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک آئینی ترمیم Concurrent list کی صوبوں کو منتقلی کے حوالے سے بڑے شائستہ طریقے سے، مہذب طریقے سے politely میں نے یہاں پیش کی جس کو اکثریت سے reject کیا گیا۔ آج کہتے ہیں کہ وہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ یار اگر چھ مہینے پہلے آپ دے دیتے تو کوئی آسمان گر جانا تھا؟ اگر آپ اتنے دور اندیش لوگ ہیں ، اگر آپ ملک چلا رہے ہیں تو آپ لوگوں کو اتنی سوچ ہونی چاہیے تھی کہ ملک کس طریقے سے چلایا جاتا ہے۔ آج میں یہ آپ کے سامنے کہنے میں حق بجانب ہوں گا کہ آج بلوچ سمیت پاکستان کا کوئی مظلوم، محکوم سندھی، پشتون، سرائیکی آپ کی Concurrent list پر متفق نہیں ہے۔ Concurrent List میں 47 ایسے موضوعات ہیں جو صرف ہمارے سماجی پہلوؤں سے متعلق ہیں۔

آج بلوچ کا دکھ درد معاشی ہے۔ بلوچ کو لوٹا گیا ہے، بلوچ کی معاشی عصمت دری کی گئی ہے، بلوچ کی سیاسی عصمت دری کی گئی ہے، بلوچ کی جغرافیائی عصمت دری کی گئی ہے۔ لہذا بلوچ آج صرف ان مطالبات پر وفاق کے اندر مطمئن ہونے تک آپ کے بس میں نہیں ہے۔ آج میرے سامنے اخبار کی cutting پڑی ہے کہ بہت بڑا package پارلیمانی کمیٹی کے توسط سے اعلان ہونے والا ہے۔ خدا کرے کہ وہ بہت بڑا package ہو اور بلوچوں کے دل پر، پاکستان کے دوسرے محکوم اور مظلوم انسانوں کے دل پر بڑا اثر کرے اور ہم معاملات کو سلجھانے میں کامیاب ہوں لیکن اگر مجھے اس text میں جانے کا موقع ملا ہے تو جناب والا! وہ بلوچ

کے احساسات اور خواہشات سمیت پاکستان کے مظلوم، محکوم اقوام کے احساسات و خواہشات کا پانچ فیصد بھی ادا نہیں کرتے۔ آج آپ نے اختیار تفویض کرنا ہو گا، آپ نے Devolution of Power کرنی ہوگی، آپ نے مرکز میں زکوٰۃ، خیرات، مذہبی امور، لنگڑے، لولے، داخلہ، خارجہ، ساری وزارتیں ادھر اپنے پاس بغل میں دبائی ہوئی ہیں شاہ خرچیوں کے لیے، یہ ساری وزارتیں آپ نے وفاقی وحدتوں کو دینی ہوں گی اور وہاں کے انسانوں کو جو اسلام آباد کے انسانوں کی طرح دو آنکھیں رکھتے ہیں، دوکان رکھتے ہیں، دو ہاتھ رکھتے ہیں اور دو پیر رکھتے ہیں اور سوچنے کے لیے یہاں کے لوگوں سے زیادہ شائستہ دماغ رکھتے ہیں، آپ نے یہ اختیارات منتقل کرنے ہوں گے۔ اگر آپ یہ اختیارات منتقل نہیں کریں گے تو جناب والا! پاکستان میں وفاقیت اطمینان بخش طریقے سے نہیں چل سکے گی۔

آج ساری دنیا میں پراپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ سردار بلوچستان کی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔ 28 سرداروں کی لسٹ میرے پاس ہے جناب والا! اگر آپ کو ضرورت ہے تو میں آپ کو دے دیتا ہوں۔ 28 سرداروں کی قبیلہ وار تعداد اور نمبر، ان میں سے جناب والا 24 سردار اس وقت سرکار کی گود میں ہیں، بڑے سے بڑا سردار بلحاظ آبادی، بلحاظ قبیلہ، بلحاظ جغرافیہ لیکن وہ کونسے سردار ہیں جو عوام کی حمایت سے محروم ہیں۔ وہ 24 سردار جناب والا! سرکار کی گود میں ہیں اور Establishment کے ساتھ ہیں۔ دو تین بیچارے جو ہم جیسے غریبوں کے دکھ درد کی بات کرتے ہیں وہ بے چارے روز یہاں مورد الزام ٹھہرائے جاتے ہیں کہ جی یہ غدار ہیں، یہ ترقی نہیں چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں جناب والا! گوادر کی ترقی ہو لیکن گوادر میں چیف سکیورٹی افسر بریگیڈیئر رانا باسط کیا کر رہا ہے؟ کیا وہ پلاٹوں کی براہ راست خرید وفروخت میں ملوث نہیں ہے؟ کیا فرنٹیئر کور کے چالیس پینتالیس ہزار لوگ بلوچستان کے معاشی اور معاشرتی استحصال میں براہ راست شریک نہیں ہیں؟

یہ میرے پاس فہرست ہے جناب والا! امریکہ نے بغداد میں بھی یہ نہیں کیا جو آپ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔ اس نے ایک گورننگ کونسل بنائی، ایک گورنر اپنا بھیجا ایک سال کے لیے۔ یہ میرے پاس فہرست ہے۔ ٹھیک 1948ء سے لے کر آج تک بلوچستان میں 23 گورنر بھیجے گئے۔ ان میں سے بارہ اسلام آباد نے اپنی مرضی سے اور بیرون بلوچستان سے بھیجے جن کا

عرصہ ملازمت سب سے طویل تھا، کوئی سات سال، کوئی آٹھ سال، کوئی دس سال جبکہ بلوچستان کے اپنے لوگوں کو وہاں پر نو مہینوں اور آٹھ مہینوں سے زیادہ گورنرشپ کرنے کا موقع نہیں دیا چاہے وہ جنرل رحیم خان ہو، چاہے کے کے آفریدی ہو، چاہے دوسرے ہوں، چاہے موجودہ آپ کا گورنر ہو۔ تو کیا جناب والا! ہم کوئی جاہلوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ آج تو دنیا بڑی ترقی کر گئی ہے، علم میں، آگاہی میں، شعور میں، ذہن میں۔ آپ اپنے گھر میں کسی کو دو دن رہنے کے لیے نہیں چھوڑتے اور میرے صوبے میں میری پگڑی اچھالنے کے لیے دوسرے علاقوں سے لوگ بھیجتے ہیں۔ میرے علاقے پر قبضہ گیری کے لیے فوج کو بھیجتے ہیں اور میں آپ کو پیار اور محبت کے پھول پہناؤں گا، نہیں۔

آج کہتے ہیں کہ بلوچستان میں تشدد کی لہر اس لیے ہے کہ بلوچستان میں باہر کے ہاتھ ہیں۔ بلوچستان جناب والا! دنیا کا خوبصورت ترین خطہ ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی کہیں یا خوش قسمتی کہیں کہ ہم اس میں رہتے ہیں۔ وہ ساؤتھ ایشیا، ساؤتھ ویسٹ ایشیا اور آپ کے سنٹرل ایشیا کا juncture ہے، وہ ان تینوں کے درمیان hub ہے۔ مستقبل میں انڈیا، پاکستان، ایران پائپ لائن اور ترکمانستان، پاکستان، ایران پائپ لائن، قطر، پاکستان اور انڈیا پائپ لائن کسی کی مرضی ہو نہ ہو یہ ساری اسی جغرافیے سے گزرنی ہوں گی لیکن دنیا میں بلوچستان کا economic benefit اور اس کے potential سے آپ تب فائدہ لے سکتے ہیں۔ لیکن بلوچستان سے اس کے potential پر تب ہی economic benefit فائدہ لے سکتے ہیں جب آپ بڑا fair play کریں۔ یہاں دو نمبر کے قاعدے، دو نمبر کے قوانین، آپ کی جذباتی تقاریر، آپ کی دوست دھمکیاں، آپ کی فوجی طاقت بلوچوں کو نہ زیر کر پائے گی اور نہ بلوچ آپ کے کسی زیر ہونے والے عمل میں دبنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ fairly play کریں۔ آپ اختیارات صوبوں کو دے دیں اور آپ صوبوں کو کہیں کہ ہم نے چیز گزارنی ہے۔

جناب والا! انگریز 1897 میں Telegraph کی ایک line کراچی سے اوڑماڑہ سے ہوتی ہوئی ایران لے گئے تھے اور انگریز ہمیں اس ایک Telegraph line کے ایک مہینہ کے پانچ ہزار پونڈ 1897 میں دیتا تھا تو پھر ہم پاگل تھے کہ اس کے خلاف لڑتے۔ اب تو آپ پانچ روپے بھی نہیں دیتے ہیں۔ میرے جغرافیہ کی عصمت دری کرکے اس کے تمام وسائل کو لوٹ

لیتے ہیں اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ پاکستان خوشحال ہے۔ ہم سب کا پاکستان ہے۔ میرے بھائی اس طریقے سے گزارہ نہیں ہوگا۔ اب انصاف کے تحت، مساوات کے تحت، قاعدے کے تحت، قانون کے تحت آپ کو چلنا ہوگا۔ جناب والا! عید کے پہلے دن میں اپنے علاقے میں بیٹھ نہیں سکا کیونکہ وہاں پر بے چارے گیارہ ہزار نوجوان بھوک ہڑتال پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ان کے نمائندے تھے وہ تادم مرگ بھوک ہڑتال پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ بلوچستان میں پڑھے لکھے لوگ نہیں ہیں۔ اس طرح کے بیانات یہاں پر کتنے Ministers نے دیے ہیں۔ آپ کو 350000 نفوس پر مشتمل Frontier Corps جس کا structure colonial ہے جو انگریز نے بلوچوں کو مارنے کے لئے اور بلوچستان پر قبضہ کے لئے بنائی تھی، اسے تبدیل کرنا ہوگا۔ اگر آپ کی پالیسی وہی انگریز کی پالیسی ہوئی تو ہمارے لئے آپ سے انگریز زیادہ قابل قدر ہوگا۔ آپ سے زیادہ sophisticated ہے۔ آپ سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ جاندار ہے۔ تو پھر ہم آپ کی پالیسیوں کو کیوں pursue کریں۔ آپ کو یہ سارا colonial structure جو coast guard کا ہے، FC کا ہے، فوج کا ہے، اسے تبدیل کرنا ہوگا۔

جناب چیئرمین، آپ ذرا وقت کا خیال کریں کیونکہ کافی وقت ہو گیا ہے۔

سینیٹر ثناء اللہ بلوچ، جناب والا! آخر میں میری یہی گزارش ہے کہ اگر اس پارلیمنٹ کا احترام کسی کو ہے تو جیسے ہمارے سارے دوست آپ کے سامنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں بلکہ اب تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج حکومت کی طرف سے جن دو سینیٹرز نے بات کی ہے، انہوں نے بھی کہا کہ اس وقت بلوچستان میں احساس محرومی ہے اور بلوچستان انتہائی کرب اور درد کے عالم سے گزر رہا ہے تو ان کی تجاویز پر عمل کرنا چاہئیے۔ آپ کو All Parties Conference جو حال ہی میں ہوئی ہے کا احترام کرتے ہوئے بلوچستان سے تمام forces pull out کرنی ہوں گے۔ یہی بلوچستان کے معاملہ کا دائمی حل ہے۔ صرف سوئی ہی نہیں بلکہ پورا بلوچستان اس وقت سوئی جیسی صورت حال سے دوچار ہے۔ احساس محرومی کا temperature بہت زیادہ ہے۔ اگر کوئی سیاسی نبض شناس، political doctor یہاں ہوتا تو وہی اسے measure کر سکتا تھا، اسے ناپ سکتا تھا کہ بلوچستان کی نبض اس وقت کیسی ہے اور کہاں پر

چڑھی ہوئی ہے۔ اگر آپ کو حالات اچھے دیکھنا ہیں تو پورے بلوچستان میں اپنی check post ختم کرنا ہوں گے۔ فوج کو وہاں سے pull out کرنا ہوگا۔ آپ کو لوگوں کو یہ احساس دلانا ہو گا۔۔۔

جناب چیئرمین، آپ تشریف رکھیں۔

سینیٹر ثناء اللہ بلوچ، کہ آئین اور قانون کے تحت بلوچستان کے عوام کے ساتھ انصاف ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ بحیثیت چیئرمین اپنا کردار ادا کرتے ہوئے وفاق کو درپیش بحران اور اسلام آباد کی طرف سے کی جانے والی جو جارحیت ہے' اس کو روکنے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔بہت شکریہ۔

(ڈیسک بجائے گئے)

جناب چیئرمین، جناب نصیر خان مینگل۔

سینیٹر محمد نصیر خان مینگل : نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب چیئرمین! بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اس موضوع پر بولنے کا موقع دیا۔ ہمارا تعلق بھی بلوچستان سے ہے۔ بلوچستان سب کا ہے۔ یہ صرف میرا ہی نہیں ہے۔ بلوچستان کے سودوزیاں میں ہم شامل ہیں۔ بلوچستان کے لئے جو جدوجہد کی گئی ہے' اس میں ہم سب کا contribution ہے تاہم میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب سے ہماری مسلم لیگ کی حکومت جس کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین ہیں' وجود میں آئی ہے۔ بلوچستان کے پچھلے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس platform پر ' اسی floor پر چوہدری شجاعت حسین نے بحیثیت وزیر اعظم اعلان کیا کہ بلوچستان کے لئے ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔یہ credit انہیں جاتا ہے۔ اس کا کام اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ اگر بلوچستان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتیاں یا استحصال ہوا ہے تو اس کو رفع کیا جائے گا ۔ اس کمیٹی کو پھر دو کمیٹیوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک long term Constitutional Committee بنائی گئی جس کے سربراہ وسیم سجاد صاحب ہیں اور دوسری کمیٹی سید مشاہد حسین کی قیادت میں بنی جو current affairs پر ہے۔ یہ کمیٹیاں بننے کے بعد اس مسئلہ پر immediately کام شروع ہو گیا۔ جناب ثناء اللہ بلوچ صاحب

ایک long term Constitutional Committee بنائی گئی جس کے سربراہ وسیم سجاد صاحب ہیں اور دوسری کمیٹی سید مشاہد حسین کی قیادت میں بنی جو current affairs پر ہے۔ یہ کمیٹیاں بننے کے بعد اس مسئلہ پر immediately کام شروع ہو گیا۔ جناب ثناء اللہ بلوچ صاحب ہمارے لئے قابل احترام ہیں، انہوں نے جو بھی agenda دیا تھا، جو کچھ انہوں نے پہلی briefing میں پیش کیا تھا، اس کو ہماری کمیٹی نے من وعن اپنے agenda میں شامل کیا اور اس پر کام شروع کر دیا گیا۔ اس کمیٹی میں بلیدی صاحب سمیت تمام پارٹیوں کے ممبران تھے، حزب مخالف اور گورنمنٹ پارٹی کے ممبران شامل تھے۔اس پر دن رات کام ہوتا رہا۔ یہاں بھی بات ہوئی۔ منسٹری آف پٹرولیم، منسٹری آف ڈیفنس اور دوسرے جو ادارے تھے ان سب کی briefing لی گئی یہاں سے ان تمام احباب کے ساتھ کوئٹہ چلے گئے وہاں بھی meetings ہوئیں ۔ provincial Government کے point of view کو سنا گیا، وہاں سے گوادر چلے گئے stake holders, fishermen سے اور دوسرے مکاتب فکر سے پیپلز پختون جرگہ تھا دوسرے سب مکتب فکر سے discussion ہوئی ان کی رائے لی گئی ۔ دن رات اس پر کام ہوتا رہا تاکہ جو چیزیں ہیں اور ساتھ سردار عطاء اللہ مینگل صاحب کے جو نکات آئے تھے، ثناء بلوچ صاحب کے ذریعے، کنرانی صاحب کے ذریعے نواب بگٹی صاحب کے ہوئے تھے ان کو بھی شامل کیا گیا اور ایک ایک چیز کا جائزہ لیتے رہے تاکہ صدق دل سے اس پر sincerity کے ساتھ کام ہو، اس سلسلے میں جناب مشاہد حسین صاحب ڈیرہ بگٹی گئے نواب بگٹی صاحب سے ملاقات ہوئی، سردار عطاء اللہ سے بحیثیت وزیر اعظم چوہدری شجاعت حسین کی ہوئی اور کچھ احباب کی بات ہوئی، پھر اس کے بعد چوہدری صاحب کراچی گئے وہاں اس سے ملے یہ سلسلہ جاری و ساری تھا تاکہ بلوچستان کے مسائل کو افہام وتفہیم اور dialogue کے ذریعے حل کیا جائے ۔ افسوس کی بات ہے کہ اس میں all of a sudden لا تعلقی کا اظہار کیا گیا، ہمارے دوستوں سے یہ توقع نہیں تھی کہ جس sincerity کے ساتھ ہمارے قائد نے جس sincerity کے ساتھ ہمارے سیکرٹری جنرل جو چیئرمین current affairs تھے، جدوجہد کر رہے تھے، سب کو اعتماد میں لے رہے تھے تاکہ dialogue کا سلسلہ جاری رہے ۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ آپریشن پچھلے دور میں جو کچھ ہوئے لیکن ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اس کی کوشش ہو رہی تھی تاکہ گفتگو کے ذریعے طریقہ کار کے مطابق اس مسئلے کا حل کیا جائے اور ان

زیادتیاں ہوئی ہیں اس کا بھی جائزہ لےکر ازالہ کرنا چاہیے ۔immediately وزیر اعظم صاحب نے ایک کمیٹی بنائی اور اس کو بھی یہ کام سونپا گیا کہ بلوچستان کے سلسلے میں ملازمتوں میں پورا جائزہ لیا جائے ۔ فیڈرل گورنمنٹ میں تمام اداروں میں اعداد و شمار جمع کیے جائیں اور اس سلسلے میں بھی ہم نے تمام دوست احباب کو جو مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، مختلف پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کو ہم مدعو کرتے رہے حالانکہ وہ ممبر نہیں تھے لیکن ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کی رائے کو اہمیت دی جائے ان کو consult کیا جائے شب و روز وہ اس پر کام کرتے رہے، وہ رپورٹ بھی آخری مراحل میں تھی تاکہ یہ دونوں رپورٹیں مجھے یقین ہے کہ اگر چوہدری شجاعت صاحب کی قائم کردہ دونوں کمیٹیاں جو مشاہد حسین صاحب کی سرکردگی میں بنی ہوئی تھیں۔جو ministerial committee jobs opportunities کے لیے یا اسی provision کے لیے ہی تھیں اگر یہ submit ہو جائیں تو تقریباً ۸۰ فیصد مسائل یا خدشات جو ہیں یا بلوچستان کے گلے شکوے تھے وہ حل ہو سکتے تھے لیکن اس میں لاتعلقی کا اظہار کیا گیا۔جس کی وجہ سے اس میں پیش رفت نہیں ہو سکی ہے ۔ میری ان سے گزارش ہے وہ تعاون کریں اور ان کمیٹیوں کا ساتھ دیں۔ان کے ساتھ مل کر ہم نے سفارشات بنائی ہیں ان کو ہم نے confidence میں لیا ہے۔ drafting committee میں وہ لوگ شامل ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ خلوص دل سے بلوچستان کے مسائل حل ہوں اور بلوچستان کے سلسلے میں اہم اقدامات کیے جائیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ کریڈٹ ہماری حکومت کو، مسلم لیگ کو چلا جائے کہ اس نے اپنے دور میں یہ مسائل حل کیے ۔ اگرچہ پچھلے 55/56 سال میں کچھ زیادتیاں ہوئی ہیں یا کچھ استحصال کیا گیا ہے جہاں گنجائش ہو اس کا ازالہ کیا جائے اور ان کی احساس محرومی کو ختم کیا جائے ۔ تو اس سلسلے میں جیسے یہ co-operation کرتے رہے ہیں ہمیں سو فیصد یقین تھا کہ اس کے اچھے نتائج نکلیں گے ۔ لیکن ایک واقعہ ہوا سوئی کے مقام پر ڈاکٹر شازیہ کا تو اس سلسلے میں، میں بتانا چاہتا ہوں کہ دلاور عباس صاحب کی chairmanship میں ہماری standing committee کی meeting ہوئی اس میں تمام دوست احباب کو جس میں کنرانی صاحب تھے جس میں مہیم خان بلوچ تھے ہمارے چیئرمین صاحب نے کھل کر اظہار خیال کا موقع دیا۔بحیثیت منسٹر میں اپنی منسٹری کے اہلکاروں کے ساتھ تھا اور پورا co-operation کیا گیا۔ پورا تعاون کیا گیا اور میرے خیال میں وہ رپورٹ submit

کر چکے ہیں یا آج کل میں کرنے والے ہیں ۔اس میں بھی تمام مسائل کا حل ہے اور اس کے ساتھ وہاں کارروائی بھی کی گئی ہے ۔پولیس investigation کر رہی ہے ۔ پانچ آدمی جن کا نام لیا جا رہا ہے ان کو گرفتار کیا گیا ہے اور عدالتی تحقیقات کے لئے صوبائی حکومت نے ایک high powered commission بنایا ہے headed by Judge of High Court وہ تفتیش کر رہا ہے ۔ DNA test کے لئے صدر پاکستان نے خود میرے سامنے وزیراعلیٰ بلوچستان کو فون کیا کہ ان سب کا DNA test کرایا جائے ۔ ان کی شناختی پریڈ ہونی چاہیے تاکہ جو مجرم culprit اس میں ہو وہ اس سے نہ بچ سکے ۔ اس میں صدر پاکستان کے احکامات ہیں ۔ وزیراعظم صاحب کہہ چکے ہیں ، کل پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ میں ہمیں بتایا ۔ آج تمام اخباروں میں آیا ہے کہ جو بھی اس میں ملوث ہوگا انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ، قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے ان کو قرار واقعی سزا دی جائے گی ۔ لہٰذا میرے ساتھیوں کو اس پر اعتبار کرنا چاہیے ۔ایک دوسرے پر اعتماد کرنا چاہیے اور دوبارہ مذاکرات شروع کرنے چاہئیں تاکہ یہ سلسلہ آگے بڑھے اور یہ جو ہمیں مرکز سے گلے شکوے رہے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہماری حکومت میں چوہدری شجاعت حسین صاحب کی قیادت میں جو مسلم لیگ کی حکومت ہے ، چوہدری صاحب بامروت ، وضع دار اور چاروں صوبوں میں قابل احترام ہیں ۔سیاسی بصیرت رکھتے ہیں ۔ ان کے والد بہت عظیم آدمی تھے وہ بھی شہید ہوئے ، ان کی بھی خدمات ہیں ، ان کے خاندان کی خدمات ہیں اور بلوچستان کے سلسلے میں میرے ساتھی بھی اس کو مانیں گے ۔ نواب اکبر خان بگٹی نے خود اپنی statement میں کہا ہے کہ مشاہد حسین اور چوہدری شجاعت حسین کی sincerity اورکوششوں پر اعتبار ہے۔ میری ان سے گزارش ہے کہ جب ان کی sincerity اور خلوص پر اعتبار ہے تو آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں اور میں آپ کو surety دیتا ہوں ، میں بھی ایک بلوچ ہوں ، ہم بھی بلوچستان کے سود و زیاں میں شامل ہیں ، ہم بھی وہی چاہتے ہیں جو دوسرے بھائی چاہتے ہیں ۔ ہم پورے پاکستان کی بھلائی چاہتے ہیں ۔

وسیم سجاد اور مشاہد حسین صاحب والی جو دو کمیٹیاں ہیں ملازمتوں کے سلسلے میں، ان کی رپورٹس آجائیں تو نہ صرف بلوچستان میں ، سرحد میں ، سندھ میں، فاٹا میں ہر جگہ احساس محرومی یا جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے گا ۔ اس کا کریڈٹ اس پارٹی اور حکومت کو جائے گا ۔اس

سلسلے میں تعاون ضروری ہے ۔ ہم بلوچستان کے حوالے سے ہر ایک چیز میں برابر کے شریک ہیں ۔ بقول جام غلام قادر مرحوم جو موجودہ وزیراعلیٰ کے والد صاحب ' جب وہ 1986 میں وزیراعلیٰ تھے تو جونیجو صاحب سبی آئے ۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ باقی ہمارے بھائی مختلف جو چیز بلوچستان کے لئے چاہتے ہیں ہم اس سے زیادہ چاہتے ہیں ۔ ہم بھی وہی چاہتے ہیں کہ ان کو مل جائے لیکن ہم وہ راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں کہ سہل طریقے سے 'آسان طریقے سے ، ممکن طریقے سے منزل مقصود پر پہنچیں اور بلوچوں کا حق لے کر یا جائز مطالبات within the Pakistan framework پاکستان کے اندر چونکہ ہماری جدوجہد ہے ۔ بلوچستان ایک اکائی ہے ' ایک صوبہ ہے اس مملکت خداداد پاکستان کا۔ سب سے بڑی چیز پاکستان کی سالمیت ' پاکستان کی خوشحالی ' پاکستان کا استحکام ہے اور اس چمن کے گلدستے کے اندر بلوچستان کو بھی ہم چاہتے ہیں ترقی ملے ۔ ہمارا بھی وہی جذبہ ہے ۔ ہمیں بھی فکر ہے ۔ میں اس floor پر کہتا ہوں کہ میرے خاندان اور میرے قبیلے نے بلوچستان میں ہم سے زیادہ کسی نے قربانی نہیں دی ۔ وہ اپنی کتابیں کھولیں ہم بھی کھولتے ہیں تو آمنے سامنے پتا چل جائے گا کہ کس کی قربانیاں ہیں لیکن ہمارا طریقہ کار مختلف ہے ۔ہم چاہتے ہیں کہ مملکت خداداد پاکستان کے استحکام ' اس کی سالمیت ' اس کی خوشحالی کے اندر بلوچستان میں خوشحالی ہو ' بلوچستان میں ترقی ہو ' بلوچستان میں لوگوں کو ملازمتیں ملیں ' بلوچستان میں غربت کا خاتمہ ہو اور یہ کریڈٹ جنرل مشرف کو جاتا ہے ۔ یہ احسان فراموشی ہوگی کہ ان کے آنے کے بعد جو دیرینہ ہمارے مطالبات تھے جیسے گوادر پورٹ' میرے عزیز دوست سب بیٹھے ہوئے ہیں' یہ پہلے بلوچستان کے لئے منظور ہوا لیکن بجائے گوادر میں آنے کے وہ پورٹ قاسم میں تبدیل ہوا۔ یہ کریڈٹ بھی جنرل مشرف کو جاتا ہے کہ گوادر پورٹ بنی ۔ ہمیں welcome کرنا چاہیے ۔ اگر ہماری کوئی reservations ہیں تو انہیں کمیٹی میں رکھیں ' ان کا ازالہ کیا جائے گا ۔ میرانی ڈیم کا دیرینہ مطالبہ تھا وہ بھی ہو رہا ہے۔ کچھی کینال سے لاکھوں ایکڑ زمین آباد ہوئی۔ highways کے لئے 16' 17 ارب روپے رکھے گئے ہیں وہاں سے Coastal Highway بنا ہے۔ چیئرمین صاحب! وہاں پانچ دن لگتے تھے۔ جب چیف منسٹر جمالی صاحب تھے' نواز شریف کے زمانے میں نادر پرویز Minister Communication تھے' ہم تین دن میں by road اسی road سے Coastal Highway survey کے لئے گئے' میں ان کے ساتھ تھا۔ پچھلے

دنوں میں اور چیف منسٹر گئے وہاں سیلاب آیا ہوا تھا' اب چار پانچ گھنٹے میں پانچ دن کا فاصلہ طے ہوتا ہے' اس سے زیادہ کیا ہونا چاہیے۔ یہی چیزیں ہیں' یہ credit کم از کم جس شخص نے کیا ہے اسے دینا چاہیے۔ اسی طریقے سے بجلی دور دور تک interior area میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہماری اپنے دوستوں سے گزارش ہے کہ خدارا ایک table پر بیٹھیں' گفت و شنید کے ذریعے مسائل حل کیجیئے۔ ہمارے لیڈر صاحب مل چکے ہیں' مزید رابطے کر رہے ہیں اور ملنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ اس پارٹی کی حکومت پر فوقیت ہے اور حکومت ہر بات ماننے کے لئے تیار ہے۔ صدر صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی ہے' میری بنفس نفیس ملاقات ہوئی ہے' بلوچستان کے لئے وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں' بلوچستان کو special package دینا چاہتے ہیں۔ out of the way, population کے علاوہ وہ funds دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ وہ مل بیٹھ کر رے لیں۔ اگر آج بجلی چلی جائے گی' پورے علاقے میں روشنی سے محرومی' ہمارے ٹیوب ویل چل رہے ہیں' فصلوں کو نقصان ہو رہا ہے' سوئی گیس گئی تو اس سردی میں وہاں پر کیا حال ہو گا۔ بجائے دوسرے ذرائع اختیار کرنے کے اس مرحلے کو طے کرنے دیں جس میں صدر پاکستان بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ جو بھی آپ package لے آئیں میں بلوچستان کے لئے دینے کو تیار ہوں۔ وزیر اعظم صاحب یہی کہتے ہیں' پارٹی کی قیادت یہی کہتی ہے تو یہ مل جل کر کیوں نہ کریں۔ خدارا اس راستے پر آ جائیں

جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جو کہ سوئی میں ہوا ہے it is just for two ports have been under installation اس کے علاوہ فوج کشی کا حکومت کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ کابینہ میں discuss ہوا ہے' اس میں ہمارے دوست احباب تھے' اس میں یہی تھا کہ جو حساس ادارے ہیں ان کا تحفظ کیا جائے۔ ہم نہیں چاہتے ' نہ حکومت چاہتی ہے اور نہ فوج چاہتی ہے کہ اپنی عوام کے ساتھ لڑے یا وہاں فوج کشی کرے۔ اعتماد ہونا چاہیے اور حالات ایسے نہیں ہونے چاہئیں کہ جس میں خدانخواستہ کسی قسم کا خدشہ ہو۔ ہماری ان سے پرخلوص اور مودبانہ گزارش ہے کہ سب مل کر اس صوبے میں کہ جس میں واقعات ہو رہے ہیں' ہم ایک دوسرے کے سود و زیاں میں شامل ہوں۔ ہم اس کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔

کل یہاں ایک تھوڑا سا واقعہ ہوا اس سلسلے میں ' میں وضاحت چاہتا ہوں۔ ہم

کہ سب مل کر اس صوبے میں کہ جس میں واقعات ہو رہے ہیں، ہم ایک دوسرے کے سود و زیاں میں شامل ہوں۔ ہم اس کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔

کل یہاں ایک تھوڑا سا واقعہ ہوا اس سلسلے میں ، میں وضاحت چاہتا ہوں۔ ہم Treasury Benches میں ہیں، ہماری ایک پارٹی ہے لیکن بلوچستان کی کچھ روایات ہیں، ان روایات کو ہمارے دوست پامال نہ کریں۔ سلیم بگٹی کا نام لیا گیا، وہ فوت ہو چکے ہیں۔ ہماری بلوچی روایات میں کبھی کوئی فوت ہو جائے اور وہ کوئی دشمن بھی ہو تو ہم اس پر کبھی انگلی نہیں اٹھاتے۔ بھٹو صاحب کے زمانے میں جو آپریشن ہوا اور جب بھٹو صاحب کو پھانسی ہوئی تو ہمارے ایک بزرگ لیڈر سے پوچھا گیا کہ آپ کی رائے کیا ہے تو اس نے کہا چونکہ بھٹو صاحب اس دنیا میں نہیں رہے اب ہم اس پر کوئی رائے زنی نہیں کریں گے۔ لہذا پارٹی ڈسپلن اپنی جگہ لیکن خدارا ایسا ماحول نہ بنائیں، ہمارے وہاں کی مخصوص روایات ہیں جس کے ہم پابند ہیں، ہمیں اس صوبے میں جانا ہے۔ ان پر انگلی نہ اٹھائی جائے اور سوچے سمجھے بغیر کسی قسم کی رائے قائم نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے مہیم خان اس میں حق بجانب ہیں اور میں اپنی تقریر میں اس کا اظہار کرنا چاہ رہا تھا۔ ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دوسرے جبکہ ہمارے لیڈر چوہدری صاحب being the Head of the party وہ اس سلسلے میں افہام وتفہیم کے ذریعے کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ دونوں sides کو میری گزارش ہے کہ جذبات کے بجائے ، جوش کے بجائے، ہوش کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ اس میں کوئی پیش رفت ہو اور Treasury Benches سے request ہے کہ ہم اپنے اس جائز مشن کو کامیاب کریں تاکہ یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو جائے، اس کا credit اس پارٹی کے head کو جائے اور یہاں امن، سکون اور خوشحالی کا دور آ جائے۔ جائز مسائل حل ہوں اور ناخوشگوار واقعات سے بچیں۔ انہی الفاظ کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

Mr. Chairman: Mr. Liaqat Ali Bengalzai.

سینیٹر لیاقت علی بنگلزئی ، اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم-----(تلاوت)---- جناب چیئرمین صاحب! سب سے پہلے میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے موقع عطا فرمایا اور اس کے بعد میں جناب رضا ربانی صاحب کو

بحث اپنے دوسرے دن میں داخل ہو چکی ہے۔ میں اسے ایک اور نظر سے دیکھنا چاہتا ہوں' آج جو واقعہ سوئی میں ہوا' وہ ایک بلوچ' پاکستانی یا مسلمان ہونے کے نقطہ نظر سے بلکہ میں اسے ایک انسانی المیہ قرار دیتا ہوں اور ایسے واقعات جہاں کہیں بھی ہوں' دنیا کے جس خطے میں بھی ہوں' قابل مذمت اور انتہائی ناپسندیدہ فعل گردانے جاتے ہیں۔ جناب چیئرمین! ایسے واقعات کو معمولی واقعات نہیں سمجھنا چاہیے' ان کے پیچھے اور ان کے آگے کئی ایک واقعات جنم لیتے ہیں۔ جناب چیئرمین! مجھے تاریخ کا وہ سبق یاد ہے' ایسے ہی ایک واقعہ نے' ایسی ہی ایک چیخ نے' ایسی ہی ایک پکار نے' ایسی ہی آہ و بکاہ نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ جناب چیئرمین! راجا داہر کے اپنے سلطانی جاہ و جلال' اس وقت کی نئی نئی ایجادات' زمینی اور بحری قوتوں کے سامنے بعینہٖ ایسے ہی واقعے کی بنیاد پر---' ایسے ہی ایک ستم کے جواب میں حجاج بن یوسف اور محمد بن قاسم کی لبیک نے جو نتائج برآمد کئے۔ آج شاید تاریخ اپنے آپ کو دوبارہ دہرا رہی ہے۔ اس شر سے جو خیر کی کرنیں پھوٹیں اور وہ کرنیں پورے برصغیر کو روشنی دینے کا باعث بن کر ہماری پیاری دھرتی اور جن لوگوں کی رگوں میں محبتوں' شفقتوں اور خلوص کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے' اسی دھرتی کو باب الاسلام بننے کا شرف عطا کیا۔ جناب والا! وہ بھی ایک ایسا ہی واقعہ تھا۔

جناب چیئرمین صاحب! میں سمجھتا ہوں کہ آج غالباً تاریخ کا پہیہ اور circle گھوم کر پھر اسی مقام پر آ پہنچا ہے کہ جب شرف انسانیت کو تار تار کیا جا رہا ہے۔ جناب چیئرمین! ایک مظلوم بیٹی' ایک بےبس ماں' ایک لاچار بہن اور شرم و حیا کی ایک پیکر بیوی چیخ چیخ کر اپنی عصمت دری' آبروریزی اور بےعزتی کی دہائی دے رہی ہے۔ جناب چیئرمین! شاید وہ کسی اور محمد بن قاسم کو آواز دے رہی ہے' خود بھی رو رہی ہے' دوسروں کو بھی رلا رہی ہے۔ اگر ہمارے ارباب اقتدار' صاحب فہم و ادراک ہوتے تو وہ اس واقعے کو جیسا کہ ہمارے فاضل اراکین نے اپنی تقریروں میں اور اپنی speech میں کہا کہ وہ اس واقعے کو اس نوبت تک آنے ہی نہیں دیتے۔ کیا خوب ہوتا لیکن یہ بربادی' یہ ظلم' یہ جبر اور خنجر پر چھپے ہوئے ہاتھوں کو ہم تلاش کریں کہ یہ واقعہ کن کے ہاتھوں سے سرزد ہوا ہے؟ جناب چیئرمین! ان کے ہاتھوں سے جو ہماری عزت' ننگ' ناموس' چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی قسم کھاتے ہیں اور جنہوں نے آئین پاکستان کے تحت حلف اٹھایا ہے کہ وہ پاکستان کے ہر شہری کے خواہ وہ کسی بھی مذہب' گروہ' نسل' قوم

دیتے۔ کیا خوب ہوتا لیکن یہ بربادی، یہ ظلم، یہ جبر اور خنجر پر چھپے ہوئے ہاتھوں کو ہم تلاش کریں کہ یہ واقعہ کن کے ہاتھوں سے سرزد ہوا ہے؟ جناب چیئرمین! ان کے ہاتھوں سے جو ہماری عزت، ننگ، ناموس، چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی قسم کھاتے ہیں اور جنہوں نے آئین پاکستان کے تحت حلف اٹھایا ہے کہ وہ پاکستان کے ہر شہری کے خواہ وہ کسی بھی مذہب، گروہ، نسل، قوم اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، انہوں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ وہ ان کے محافظ بنیں گے۔

دیکھا جو تیر کھاکے کمین گاہ کی طرف

اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

جناب چیئرمین! ہم کس سے گلہ کریں؟ ان سے جنہوں نے حلف لیا ہے، جنہوں نے اس ملک کے ہر شہری کی عزت نفس اور اس کے چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی قسم کھائی ہے، ہم ان سے گلہ کرنے جا رہے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ایسا موقع پیدا ہی نہ ہونے دیتے۔ بہرحال ۲۱ ویں صدی میں البتہ راجا داہر جیسے زمینی اور بحری قوتوں کے زعم کے علاوہ فضائی طاقت اور جدید ٹیکنالوجی کی خبط نے دماغ میں گھس کر وہ بات کہلوائی کہ جسے اکثر off the record تو کہا جاتا تھا لیکن پہلی بار on the air and on the record بڑے کروفر کے ساتھ مہلک ترین لیزر گائیڈڈ ہتھیاروں کی دھمکی اور تڑی دی۔ ہمیں انجانے اور ان دیکھے اطراف سے hit کرکے نیست و نابود کرنے کی دھمکی دی گئی۔ جناب چیئرمین! پھر مزے کی بات یہ ہے کہ یہ بات کس نے کی اور کسے کہا گیا؟ بالفاظ دیگر یہ ایک چیلنج دیا گیا۔ کسے چیلنج دیا گیا ہے؟ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اپنے ہی دیس کے باسیوں کو یہ دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور وہ بھی کس کی جانب سے؟ وہ ان کی جانب سے جو ہماری جان، مال، عزت، آبرو، ملک اور قوم کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے محافظ ہیں۔ (فارسی) بات زبان سے نکل گئی، تیر کمان سے نکل گیا۔ hit کرنے والا جملہ تاریخ کا حصہ بن کر تاریخی جملہ بن گیا۔ مستقبل کے مورخ کو اس کے ایک جملے نے کئی ایک کتابوں کی تصنیف کرنے کا موقع عطا کیا۔ اس تاریخی جملے سے کئی ایک تواریخ رقم ہوں گی۔

بہرحال ہمارے لئے یہ جملے نئے نہیں ہیں۔ مگر انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر ضرور رکھا جائے۔ ۱۹۴۷، ۱۹۵۸، اور ۱۹۷۳، کے کرداروں میں سے کئی ایک راہ عدم کو سدھار گئے مگر کئی

مکافات عمل اس سے بھی زیادہ خونخوار ہوتا ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بر آند جو از جو

ہماری محرومیوں، غربت، افلاس، جہالت اور علم کی روشنیوں سے محروم رکھنے کی سازشوں میں کون کون شریک رہا ہے؟ کس کس کا عمل دخل رہا ہے؟ جناب چیئرمین! یہ ایک دن کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے محسوس اور غیرمحسوس، ورائی اور ماورائی planning ہوتی رہی۔ یہ حادثات ایسے ہی بیک وقت، بیک قلم یا بیک جملہ جنم نہیں لیتے۔ جناب چیئرمین!

وقت کرتا ہے پرورش برسوں۔

حادثہ یک لخت نہیں ہوتا۔

اب میں بلوچستان کے لمحہ موجود کی صورتحال پر آتا ہوں۔ جناب چیئرمین! چاہیے تو یہ کہ بلوچستان کے زخموں پر مرہم رکھا جائے مگر یہاں ہو کیا رہا ہے، نمک پاشی کی جا رہی ہے اور جو میں سمجھ چکا ہوں یا جو میری calculation ہے یہ کسی بڑے حادثے کے لیے ایک تمہید باندھنے کی practice ہے۔ جناب چیئرمین آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے مقام پر فائز کیا ہے کہ آپ بخوبی سمجھتے ہوں گے کہ وہ حادثہ کیا ہے اور کیا حادثہ ہونے والا ہے، میں سمجھتا ہوں یہ اس کی تمہید ہے۔ بہر حال ہم نے تو تاریخ سے سبق نہ لینے کی قسم کھائی ہے۔ سوئی کے المناک واقعہ کی تفصیلات کنرانی صاحب نے بیان کی ہیں اور جن پر ہمارے حزب اقتدار کی جانب سے جو جوابات دیے گئے ان کا لب لباب جو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ تھا کہ کوئی اسے چھوٹا سا واقعہ قرار دے کر سمجھاتا ہے، کہ آپ کے تحفظ کے تمام حقوق آئین میں محفوظ ہیں، کوئی اسے طلال بگٹی کے واقعہ کا ردعمل قرار دیتے ہوئے خاموشی کے ساتھ اسے برداشت کرنے کی تلقین کرتا ہے، کوئی بلوچستان میں رواں ترقیاتی کاموں اور progress کا لالچ دے کر اس واقعہ کو بھول جانے کی نصیحت کرتا ہے اور اس سانحہ کو ترقیاتی کاموں کی قیمت قرار دے کر کہتا ہے کہ ترقیاتی کاموں کے لیے ایسی قیمت دینی پڑتی ہے۔ جناب چیئرمین! میرا ان سے یہ سوال ہے کہ حقوق واقعی آئین میں محفوظ ہیں مگر خود آئین کہاں ہے، ہمیں وہ آئین دکھا دیں اور اگر ہم انہیں آئینہ دکھائیں تو وہ برا مان جاتے ہیں۔ طلال بگٹی نے ثمینہ کے ساتھ جو کچھ کیا تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ

ثمینہ کا بدلہ شازیہ سے لیا جا رہا ہے یا پھرآبروریزی اورعصمت دری کا جو تلخ گھونٹ ترقیاتی کاموں کا عوض سمجھ کر، ہمیں یہ نصیحت کی جا رہی ہے کہ آپ صبر کریں اور وہ بھی ہماری فاضل محترمہ رکن سینیٹ کی طرف سے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ

حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے،

جناب چیئرمین! بلوچستان کی حق تلفیوں کا رونا بہت رویا گیا ہے میں اس ایوان میں جگالی کرنے کا قائل نہیں، میں بار بار ایک بات کو repeat نہیں کرنا چاہتا، یہ ادبی جگالی ہوگی اگرمیں یہ بات بار بار دہراؤں لیکن اس ایوان میں ہمارے ایک معزز رکن نے چیلنج کیا کہ کوئی بلوچ سیکریٹری وفاق میں دکھایا جائے تو وہ استعفٰی دیں گے، مجھے ان کے چیلنج پر حیرت ہوئی ہے۔ سیکریٹری کو تو چھوڑیں جناب والا! ان سے تو ہمارے دو وزیر تک برداشت نہیں ہو سکے، 65 وزرا پر مشتمل ایک فوج ظفر موج میں بقدر اشک بلبل، ہمارے حصے میں صرف تین وزرائے مملکت آئے، پتا نہیں یہ بھی وفاق ہضم کر پائے گا یا ان سے بھی وفاق کے پیٹ میں مروڑ آنے لگیں گے یہ بہت رولا ثابت ہوں گے۔ ہمیں خوشی ہے ہم پھر بھی خوش ہیں کہ کم از کم نمائندگی ہے اگرچہ بہت ہی کم ہے، آٹے میں نمک کے برابر ہے لیکن انشاء اللہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہے گا۔ بلوچستان کے امن و امان کے مسئلے پر اورشکر ہے کہ ہمارے وزیر مملکت برائے امور داخلہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم غریب سہی، غربت اور غریبی کے باوجود انتہائی بردباری، متانت اورخودداری کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ چوری، ڈاکہ زنی، قتل، خونریزی کے واقعات ملک کے دوسرے صوبوں کی نسبت نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بلوچستان میں امن و امان کی حالت یہ ہے کہ آج تک جو اعداد و شمار وزارت داخلہ سے ہمیں مہیا کیے ہیں ان پر ایک نظر ڈالیں کہ گزشتہ سال اغوا برائے تاوان کے ضمن میں سندھ میں 763، پنجاب میں 482، سرحد میں 209 اور بلوچستان میں 38 واقعات ہوئے ہیں۔ جبکہ اغوا برائے تاوان کے سلسلے میں ان افراد میں سے پنجاب میں 9، سندھ میں 3، سرحد اور بلوچستان میں ایک ایک ہلاکت ہوئی ہے۔

اب جناب! خود ملاحظہ فرمائیں۔ چھاؤنیوں کی ضرورت کہاں ہے۔ جہاں 763 واقعات ہوتے ہیں یا جہاں صرف 38 واقعات ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بلوچستان کو پر امن رہنے کی سزا دی جا رہی ہے جہاں ایک سال میں صرف ایک قتل ہو اور دوسری طرف 763 اور یہ اعداد و شمار

کل ہمیں اسی table پر مہیا کیے گئے ہیں وزارت داخلہ کی طرف سے اور یہ record آپ check کر سکتے ہیں، میں اپنی طرف سے یہ بات نہیں کر رہا ہوں۔ یہ facts and figures جو مجھے وزارت داخلہ کی طرف سے مہیا کیے گئے ہیں، میں وہ پیش کر رہا ہوں۔

جناب! میں آپ کو ملازمتوں کے بارے میں ایک آئینہ دکھاتا ہوں۔ جناب والا! گزشتہ سال ایک وفاقی محکمے میں 12 افراد کی تعیناتی ہوتی ہے جن میں پنجاب کے سات، سرحد کے تین، سندھ اور وفاق کے ایک ایک اور بلوچستان صفر۔

اب جناب! PTCL کا ملاحظہ کیجیے۔ بلوچستان جیسے پس ماندہ صوبے کی طرف سے ایک Revenue Division جس میں ڈیرہ بگٹی بھی شامل ہے وہاں اس محکمے کو گزشتہ سال 136.186 million rupees دیے جاتے ہیں مگر جواب میں میں نے ملازمتوں کے بارے میں پوری تفصیل آپ کو بتا دی ہے، وہ بھی ہمیں کل کے record سے ملی تھی۔

جناب چیئرمین ! محکمہ اطلاعات و نشریات کے حوالے سے اس محکمے میں national سطح پر تمام زبانوں کو برابر برابر وفاقی سطح پر نمائندگی دی گئی ہے اور اگر نہیں دی گئی تو وہ بھی شاید ہمیں اپنے سوتیلے بھائی ہی سمجھتے ہوں گے۔ وہ بھی بلوچستان ہی نکلا۔

جناب چیئرمین! یہ جو اعداد و شمار ہیں یہ سب گزشتہ کل کی کارروائی میں سے میں نے آپ کو دیے ہیں۔

جناب چیئرمین! سوئی کے واقعہ کے ذمہ دار ہمارے بعض فاضل اراکین سینیٹ PPL کو قرار دے رہے ہیں۔ نہیں جناب چیئرمین! یہ اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف بات ہے۔ PPL از خود ایسی حرکت و جرات کا سوچ ہی نہیں سکتی، ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ہاں البتہ نزلہ بر عضو ضعیف کے مثل یہ نزلہ PPL پر ضرور گرایا گیا ہے۔ اصل واقعہ اور اس واقعہ کے پس پردہ عزائم اور ردعمل کے بعد ان کے مضمرات کا جو فائدہ پہنچایا جا رہا ہے یا جو فائدہ پہنچایا جائے گا جس کے تانے بانے عالمی سطح پر اور عالمی سیاست پر گہری نظر رکھنے والوں سے ہرگز ہرگز پوشیدہ نہیں ہے۔

جناب چیئرمین! یاد رکھنے والی بات ہے اور کیا خوب بات ہے کہ when you laugh, world will laugh with you and when you weep, weep alone اور میں نہیں جانتا

کہ اگر خدانخواستہ کل ہم روئیں گے تو اکیلے ہی روتے چلے جائیں گے اور آنسو صاف کرنے کے لیے، تسلی دینے کے لیے کوئی دوست بھی ہمیں میسر نہیں آئے گا۔ دوستوں کو ایک ایک کر کے اب اپنے دشمن بنا رہے ہیں۔

جناب چیئرمین! افغانستان کے ساتھ ہمارے قریبی تہذیبی، تمدنی، جغرافیائی، لسانی اور اسلامی، معاشی، معاشرتی مفادات ہیں، اس کو تو ہم نے اپنا دشمن بنا لیا۔ ہندوستان تو ہمارا ازلی دشمن ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہم اندرونی طور پر بھی اپنے دوستوں میں کمی کر رہے ہیں اور آخر میں جناب چیئرمین! میری آخری تجویز یہ ہے کہ خدا نے بزرگ و برتر کے ساتھ جو ہم نے پیمان عہد باندھ کر لا الہ الا اللہ کے نعرے پر یہ ملک حاصل کیا تھا، ہمیں اس وعدے کو نبھاتے ہوئے تمام مسائل کا ایک ہی حل رکھنا ہے اور وہ کیا ہے کہ ہم ملک میں فوری طور پر لا الہ الا اللہ کی عملی صورتحال کو لائیں۔ یہ ترقی پسند، یہ روشن خیالی، اسلام سے زیادہ کوئی مذہب ترقی پسند نہیں، اسلام سے زیادہ کوئی مذہب روشن خیال نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جناب والا! جو practice ہم اس ملک میں کرنا چاہ رہے ہیں، یورپ اور امریکہ نے آج سے دو سو سال پہلے یہ تجربے کیے اور آج ان کو وہ فرسودہ قرار دے رہے ہیں۔ تحریک حقوق نسواں کے نام پر، تحریک حقوق اطفال کے نام پر انسانی development کے right کے commission کے نام پر، پتا نہیں کس کس چیز کے نام پر ---- ٹھیک ہے کوئی امداد بٹورنی ہے، کوئی چندہ لینا ہے، وہ آپ ضرور لے لیں لیکن اپنے اسلامی تشخص، دینی حمیت اور لا الہ الا اللہ کے جس عظیم مقصد کے لیے ہم نے یہ ملک حاصل کیا تھا، خدارا! اب بھی ہوش کے ناخن لیں، اگر آپ اس ملک میں صحیح طور پر اسلامی نظام نافذ کریں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہاں پر نہ کوئی پنجابی کہلائے گا، نہ کوئی سندھی کہلائے گا، نہ کوئی سرائیکی کہلائے گا، نہ کوئی حاکم کہلائے گا، نہ کوئی محکوم کہلائے گا، نہ کوئی ظالم ہو گا، نہ کوئی مظلوم ہو گا، نہ کوئی مغفور ہو گا، نہ کسی پر قہر کیا جائے گا، نہ کوئی جابر ہو گا، نہ کوئی مجبور ہو گا۔ یہ ملک امن اور ترقی اور خوشحالی کا ایک گہوارہ ہو گا۔

جناب چیئرمین! علامہ اقبال کے اس شعر کے ساتھ میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

کوئی مجبور ہو گا۔ یہ ملک امن اور ترقی اور خوشحالی کا ایک گہوارہ ہو گا۔

جناب چیئرمین! علامہ اقبال کے اس شعر کے ساتھ میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و بارکتہ

جناب چیئرمین، رخسانہ زبیری۔

سینیٹر انجینیئر رخسانہ زبیری، شکریہ۔ جناب چیئرمین! آج بلوچستان کے مسئلے پر جتنی تفصیل سے یہاں پر اعداد و شمار سامنے آئے اور جس طرح ہمارے اس طرف بیٹھے ہوئے مہیم خان بلوچ نے بات کی، میں ان کو مبارکباد دینا چاہتی ہوں کیوں کہ Government benches پر بیٹھتے ہوئے سچ بات کہنا کافی مشکل ہوتا ہے لیکن وہ یہ کر رہے ہیں۔ ایک خاتون رکن ہونے کی حیثیت سے، اس Standing Committee کی ممبر ہونے کی حیثیت سے جو کہ گیس اور پٹرول کی کمیٹی ہے اور جو اس مسئلے پر بات کر چکی ہے، میں اس ہاؤس کے سامنے کچھ تفصیلات پیش کرنا چاہوں گی اور مجھے امید ہے کہ آپ کی positive directions ہوں گی۔

جناب چیئرمین! 26 جنوری کو ہماری Standing Committee کی meeting تھی جس کا notification ہمیں 18 تاریخ کو ملا اور اس کے بعد میں نے اپنے چیئرمین صاحب کو خط لکھا اور میں نے ان سے درخواست کی کہ بہتر ہو گا کہ ہم ایجنڈے پر، سب سے پہلے جو سوئی کا سب سے اہم issue ہے اس کو ہم discuss کریں۔ اس meeting میں Minister صاحب بھی موجود تھے اور سیکرٹری صاحب بھی موجود تھے، ان کی پوری ٹیم موجود تھی لیکن بدقسمتی سے کوئی ایسا brief نہیں تھا جو اس صورتحال سے ہماری آگاہی کر سکتا کہ وہاں پر کیا حقیقت ہے۔ اس کے بعد چیئرمین صاحب نے Ist February کو meeting arrange کی اور PPL کے اراکین منسٹری کے لوگوں کے ساتھ موجود تھے اور انہوں نے presentation دی۔ جناب! یہ presentation میرے پاس ہے، میں چاہوں گی کہ اس presentation کو لائبریری میں رکھا جائے تاکہ اگر کوئی اسے refer کرنا چاہے تو کر لے۔ اس میں ایک چیز جو کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ کتنا

insensitive attitude تھا PPL کی management کا اور اس insensitive attitude کا
آپ کو اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آج کے دن تک کوئی PPL کا ذمہ دار شخص جا کر ان کی
family سے نہیں ملا۔ Victim کی family اور victim کو روکا گیا کہ وہ رپورٹ درج نہ کروا سکے۔
یہ incident ایک normal incident نہیں ہے۔ یہ incident ایک ایسا incident ہے جس
میں state کی پوری طاقت استعمال ہوئی ہے اور ہم یہ اس میٹنگ میں بھی دیکھ سکتے تھے کیونکہ
جب انہوں نے presentation شروع کی تو ایم ڈی صاحب نے کہا کہ I will speak truth
as I know it. ہم نے کہا کہ یہ تو آپ truth کی definition کو بھی change کر رہے ہیں
کیونکہ

instead of, saying, "I will speak truth," "nothing but truth"; They very defensive and they were very harassed, it seemed.

تو جب وہ بتا رہے تھے اپنے ملازمین کے بارے میں کہ وہاں پر کتنے ملازمین ہیں اور وہاں کا کیا
نظام ہے تو وہ بتا رہے تھے کہ 1785 employees ہیں اور زیادہ تر یہ ملازمین چاروں طرف بنی
ہوئی کالونیوں میں رہتے ہیں' اندر بھی نہیں رہتے۔ اس جگہ کا سیکورٹی کا نظام ڈیفنس سیکورٹی گارڈز
کے ذمہ ہے جو 530 افراد پر مشتمل ہے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ ان 530 اراکین میں ذمہ دار
لوگ کتنے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ گارڈز ہیں ان کو تنخواہ پی پی ایل ادا کرتی ہے لیکن یہ آرمی
سے آتے ہیں وہاں سے recruit ہوتے ہیں' وہاں سے آتے ہیں but we pay them اور اس
میں سے چار officials ہیں۔ ہم نے کہا کہ جی کیا آپ ان چار officials کے نام بتا سکتے ہیں؛

They were just looking at each other, they were silent, they just looked here and there and on this the members got annoyed and they said آپ
ہمیں کیا brief کریں گے۔ پھر چیئرمین صاحب نے ان کو assure کیا کہ اس کمیٹی کی رپورٹ
ہاؤس کے سامنے پیش کی جائے گی which I am sure that he is presenting it. جناب!
سوال یہ ہے کہ یہ ایک عام واقعہ نہیں ہے۔ اس لئے عام واقعہ نہیں ہے کہ جس جگہ یہ واقعہ ہوا ہے
اس کی سیکورٹی according to PPL, 1A rating ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ rating میں
سیکورٹی کے حساب سے 1A کا weightage کہاں آتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ Nuclear

یہ بتایا کہ Chief Medical Officer of the Company asked her not to make a
report and she said کہ اس کو بار بار inject کیا گیا and this is not from any
newspaper, this is reported right from the victim. تو جناب ! یہ ایک معمولی واقعہ
نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جہاں پر آپ state کا جبر دیکھ سکتے ہیں۔ ہم یہ محسوس کرتے
ہیں کہ culprit کوئی بھی ہو سکتا ہے لیکن indications کیا ہیں۔ Indications یہ ہیں کہ اس
کو کسی بھی صورت میں complaint نہیں کرنے دی گئی۔ She was taken to Karachi.
روزانہ سوئی سے فلائٹ ہے، دو دن تک مستقل plane آتے رہے لیکن ان کو نہیں بھیجا گیا بلکہ
4th کی evening میں she was taken to another gas field Kandkot and from
there she was taken to Karachi. ایک پی پی ایل کے ڈاکٹر ارشاد، جس کے متعلق
victim نے کہا کہ وہ اس کو inject بھی کرتے تھے۔ ڈاکٹر ارشاد اور ان کی wife ان کے ساتھ
آئیں۔ Family کو newspaper سے پتا چلا کہ بلوچستان میں کوئی واقعہ ہوا ہے۔ ان کو یہ نہیں
پتا تھا کہ ان کے گھر کی بچی اس میں involved ہے اور main victim وہ بچی ہے۔ ان کو پانچ
کی صبح according to PPl 9.30 کی فلائٹ سے وہ کراچی لے کر گئے ہیں۔ شام کو چار بجے
family کو فون receive ہوا کہ آپ جائیں اور اپنی بہن سے جا کر KDA ClubThey went
to K.D.A.Club. She was not there. پھر انہوں نے پی پی ایل سے contact کیا انہوں
نے کہا جی کہ Go to Asghar Hospital. Now they went to Asghar Hospital وہاں
پر یہ victim بیٹھی ہوئی تھی ایک نرس کے ساتھ No attendant from PPL was there.
She was there and then she was brought home. Later on, PPL officials
contacted the family. Called them to Pearl Continental Hotel وہاں پر انہوں
نے ان سے بات کی اور ان سے کہا جی بس اس مسئلے کو دبا دیں اور اس کی complaint نہ
کریں That is the only thing they said تو Sir, this is a very serious matter پھر
آپ اس کو link کریں کہ کس طرح پولیس چوکی سے جو ڈاکٹرز کو interrogation کے لئے
لے کے آئے تھے، ان کو لیجایا گیا۔ وہاں پر ہمیں نظر آتا ہے کہ کیا problem ہے It is the
high secruity area, extremely high security جہاں پر High Security موجود ہے۔

جہاں پر ایک بندے کے لیے ایک Security Guard موجود ہے, no outsider can come,
sir دوسری بات یہ ہے کہ یہ allegation بھی ہے کہ

That Captain's wife was under her treatment. She was asked to go and attend her at a place which she refused for some reasons and then she was given a warning that she will be sorted out. That is a way she was sorted out. Sir, this is a very serious matter and I would submit through you to the House that authorize the Standing Committee on Petroleum to fix the responsibility of colateral damage

جو ہوا وہاں پرکیونکہ tribunal کا یہ framework نہیں ہوگا۔ ہم PPL کو اس لیے کہہ رہے ہیں، ہم PPL کو الزام نہیں رہے، ہم ان پر responsibility fix نہیں کر رہے ہیں لیکن ہم PPL کا نام اس لیے لے رہے ہیں کہ They were employer ان کی first duty تھی اپنے employee کو protect کرنا۔ انہوں نے کہا جی کہ The doctor did not want کہ ہم پولیس میں جائیں۔ ہم نے کہا آپ کا اپنا internal mechanism بھی تو ہوتا ہے، internal reporting ہوتی ہے، internal management system ہوتا ہے۔ کیا کوئی Internal memoes or reporting ہوئی؟ Did they investigate internally? کوئی ہے تو آپ fax سے منگوا لیجئے memoes, we would like to see that. The answer was that they had nothing. I mean, they just had nothing. اور ایک اور چیز آپ دیکھیں کہ جو جہاں تھا وہ وہیں رہا یعنی G.M. Karachi kept sitting in Karachi. M.D. was elsewhere. He was in Islamabad. Nobody bothered to take a plane and go there. So, they took it very lightly. I would not take it at the face value of it کہ انہوں نے lightly لیا۔ I think ان کو مجبوری تھی اور harrassed تھے اور اس کے لیے بہت ضروری ہے اور یہ ہماری forces کے لیے بھی بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے نام کو clear کرنے کے لیے اس کو پوری طرح سے investigate کریں اور

immediately the person should be suspended, the officials should be

suspended because no one reported. Nobody came for help. No one tried to solve the matter. We would also say that the Committee should be authorized to take evidence and ascertain responsibility for the incident and then to work out a compensation plan for the lady to rehabilitate her because her career is finished. So, she needs to to be rehabilitated in that context

جو ہوتا ہے rehabilitate کرنے کا کہ if she would continue her job. If she had worked there for so many years. Sir, ایک اور میں درخواست کروں گی یہاں پر کہ جو tribunal بنا ہے اس میں Human Rights Commission کے نمائندوں کو بیٹھنے کی اجازت دی جائے۔ اس میں Women Foundation کے لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت دی جائے اور اس میں elected representatives کو بیٹھنے کی اجازت دی جائے with a right to question. Thank you sir.

جناب چیئرمین: پری گل آغا۔ صح کریں گی؟ چٹھہ صاحب آپ بولیں۔

سینیٹر نعیم حسین چٹھہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب چیئرمین! بہرحال دو تین دن سے یہ بڑی discussionبلوچستان کے واقعہ پر ہو رہی ہے۔ یقیناً واقعہ بہت ہی انسانیت سوز، بڑا ہی شرمناک اور بڑا ہی افسوس ناک ہے۔ اس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اتنا حساس معاملہ ہے۔ خاص طور پر ہمارے ساتھی sitting in the Opposition انہوں نے اس واقعہ کے ساتھ اور بہت ساری چیزوں کو اجاگر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں سب سے پہلے پاکستان کا سوچنا چاہئیے کیونکہ اگر پاکستان ہے تو ہماری عزت ہے اور ہماری شناخت ہے۔ اگر ہم ایک واقعہ کو لے کرپاکستان کی بنیادوں پر حملہ آور ہو جائیں تو یہ پاکستانیت نہیں ہے اور اس قسم کے حربے اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے یہ بھائی قابل عزت ہیں۔ بلوچستان ایک بہت بڑا federating unit ہے۔ اس کے بغیر پاکستان مکمل نہیں ہوتا اور پاکستان کو اس کی ضرورت ہے اور جتنی پاکستان کو

بلوچستان کی ضرورت ہے ' اس سے زیادہ بلوچستان کو پاکستان کی ضرورت ہے۔ جس جذبہ ' جس جوش اور جس خلوص کے ساتھ انہوں نے پاکستان کی تخلیق میں حصہ لیا' یقیناً وہ قابل تعریف ہے اور قابل تحسین ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ جیسے کہ ہماری پارلیمانی کمیٹی جو specially یہاں constitute ہوئی' جسے خاصی importance بھی دی گئی اور خراج تحسین پیش کیا گیا' میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بڑا مثبت قدم ہے کہ وہ بلوچستان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے اور جہاں کہیں انہیں تکلیف ہے' جہاں کہیں ان کی عزت مجروح ہوتی ہے' جہاں کہیں ان کے کچھ حقوق سلب ہوتے ہیں' یقیناً مستقل طور پر اس کا کوئی مداوا ہونا چاہئیے اور اس کا علاج ہونا چاہئیے۔ میں اسے بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ وہاں ہر tribe نے ایک علیحدہ سیاسی پارٹی بنا رکھی ہے اور وہ اپنے انداز بیان سے بلوچستان کے حقوق کے پاسبان اورعلم بردار بنے ہوئے ہیں۔ جس وقت وہ پاکستان یا دوسرے federating units کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے تو وہ انہیں دشمن سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہاں بہت زیادہ پسماندگی ہے۔ یہ پنجاب پر طعنہ زنی کرتے ہیں لیکن اگر وہ پنجاب کے دیہات میں جا کر دیکھیں تو میں یہ یقین سے کہتا ہوں کہ یہاں بھی دیہاتوں میں اتنی زیادہ غربت ہے کہ شاید یہ لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود پھربھی پنجاب کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ پنجاب ہر چیز ان کے لئے وقف کرتا ہے اور ان کے لئے نچھاور کرتاہے اور پھر اس کے لئے ان سے کوئی صلہ بھی نہیں مانگتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ ہمارے بلوچ اور پشتون راہنماؤں اور ان کے نمائندوں کے لئے بھی یہ لازم ہے کہ وہ بھی پاکستان کی سالمیت اور پاکستان کی sovereignty اور پاکستان کی خودمختاری پر حملہ آور ہونے کی بجائے اپنے مسائل کا صحیح حل ڈھونڈیں ۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں سے گیس نکلتی ہے' یقیناً سوئی گیس کی consumption پر بھی بلوچوں کا زیادہ حق ہے ' یہ انہیں ملنی چاہئیے لیکن جیسے ابھی سید دلاور عباس شاہ صاحب سے بات ہو رہی تھی ' وہ کہتے ہیں کہ اگر وہاں ایک میل کے فاصلہ پرگیس لے جائی ہو تو اس پر کئی کروڑ روپے خرچ آتے ہیں۔ اس کی maintenance پر کافی خرچ ہوتاہے ۔ اگر کئی میل سفرکرکے کئی کروڑ روپے خرچ کر کے وہاں کے ایک گاؤں کو جو بیس گھروں پرمشتمل ہے' گیس فراہم کی جائے تو یہ یقیناً feasible نہیں ہے۔ اس لحاظ سے

میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی technicalities اور اس قسم کی مشکلات اور اس قسم کی چیزوں کو ہمارے بلوچ بھائیوں کو بحیثیت پاکستانی مد نظر رکھنا چاہئیے۔ آج مثلاً بلوچ صاحب نے بہت اچھی figures دی ہیں۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انہوں نے یقیناً بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ cooperate کیا اور قائد اعظم نے ان کی بہت عزت کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے بھی بڑے قابل عزت ہیں اور ہماری یہ زندگی ہیں اور یہ پاکستان کا ایک بہت اہم حصہ ہیں۔ ہمیں بھی ان کی عزت اسی طرح کرنی چاہئیے۔ اگر آبادی کے لحاظ سے تھوڑا سا زیادہ حصہ بھی انہیں دینا پڑے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ پنجاب پہلے بھی بہت سارا بوجھ اٹھا رہا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پنجاب کے حصہ سے بھی کچھ پیسے نکال کر بلوچوں کی عزت کے لئے اور ان کی سہولت کے لئے اور ان کے حقوق کے لئے دئے جا سکتے ہوں تو انہیں دے دینے چاہئیں۔ بہرحال ایک پارلیمانی کمیٹی بنی ہوئی ہے۔میرے خیال میں ایک تو یہ کمیٹی کافی بڑی ہے، اسے چھوٹا کیا جائے اور دوسرا اسے زیادہ بااختیار بنانا چاہئیے۔ یقیناً ہمیں مذاکرات کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہئیے اور مذاکرات کے مطابق ان کا کوئی مثبت پہلو سامنے رکھتے ہوئے کوئی permanent حل ہونا چاہئیے ۔ جب کبھی یہاں کوئی بات شروع ہوتی ہے تو بلوچ نمائندے اپنے طور پر ایک دوڑ لگا دیتے ہیں کہ کون زیادہ باتیں بلوچستان کے حق میں کرتا ہے یا کون پنجاب اور حکومت کو زیادہ criticize کرنے میں زیادہ number سازی کرتا ہے۔پارلیمنٹرین کا یا پارلیمنٹ کا یہ وتیرہ نہیں ہونا چاہیے مگر اس کے ساتھ ساتھ میں یہ سمجھتا ہوں جیسے کہ ایک دن ہماری محترم سعدیہ عباسی صاحبہ نے مثال دی تھی کہ جب کبھی بلوچستان کی بات ہوتی ہے تو ضرورت سے زیادہ اس کے القابات اور ضرورت سے زیادہ adjectives استعمال کرکے ان کو زیادہ depict کیا جاتا ہے اور دوسرے صوبوں کو مطعون کیا جاتا ہے اور گالیاں دی جاتی ہیں خاص طور پر پنجاب کو، آپ کو ایک دو دن fix کرکے ان کے حقوق اور ان کی تکالیف کو ضرور سننا چاہیے اور یقیناً اس کا کوئی علاج ڈھونڈنا چاہیے لیکن یہ ہر روز کی جو تقاریر ہوتی ہیں، معاملہ کچھ ہو لیکن زہر آلود پراپیگنڈہ جو بلوچستان کے نمائندے کرتے ہیں وہ یقیناً آہستہ آہستہ دوسرے صوبوں کے عوام الناس کے ذہن میں سرایت کر رہا ہے اور خاص طور پر چھوٹے صوبوں کے لوگوں کے ذہنوں کو وہ زہر آلود کر رہا ہے۔ اس کا نتیجہ کسی وجہ سے پاکستان کی سالمیت کے لیے

برا بھی ہو سکتا ہے تو جناب والا! ہمیں چاہیے کہ اس وقت سے پہلے ہمیں ان کے جائز حقوق اور ان کی جائز تکالیف کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا صحیح حل ڈھونڈنا چاہیے۔

ساتھ ساتھ دوسری بات یہ ہے کہ بلوچ سرداروں کو اور خاص طور پر بلوچ نمائندوں کو بلوچستان کے نمائندوں کو یہ سامنے رکھنا ہوگا کہ ساری باتیں جو آج کل وہ کہتے ہیں سب سے مشکل کام یہی ہوتا ہے کہ اپنے موجودہ جدید قسم کے ماحول سے ہم آہنگ ہونا یقیناً اپنی traditions کو چھوڑ کر اور ان کی sacrifice کر کے دوسروں کے ساتھ جانا قوموں کے لیے بڑا مشکل اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے، لیکن after all دنیا کے ساتھ چلنا ہوتا ہے پھر بھی یہ کرنا پڑتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں یقیناً وہ ترقی جو گوادر بن رہا ہے یا جو کوسٹل ہائی وے بن رہی ہے وہاں آبادی بھی بڑھے گی وہاں وسائل بھی بڑھیں گے، وہاں بلوچوں کی آمدنی بھی بڑھے گی، وہاں بلوچستان کی اہمیت بھی بڑھے گی، بلوچستان کو استفادہ بھی زیادہ ہوگا، بلوچستان کی افادیت بھی زیادہ ہوگی لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں بھی cooperate کرنا ہوگا کہ ہر روز وہی جنگل کا زمانہ، وہی پتھر کے زمانہ کو طوالت نہیں دی جا سکتی کہ ہم ان ہی traditions اسی طریقہ کار، اسی طرز عمل، اسی ثقافت میں رہنے کے لیے بنے ہیں جو کہ یقیناً نہیں ہے۔ آپ دیکھیئے، جب مدینہ سٹیٹ تھی، چھوٹی سی سٹیٹ تھی پھر وہ پھیلی، کہاں تک گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں بہت ساری پھیل گئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اجتہاد اور فکر کر کے، اس کے ساتھ ساتھ جو واقعات اور حالات کے مطابق وسعت کر کے، اجتہاد کر کے، بہت سارا علاقہ اسلام میں داخل کیا اور اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حالات کے مطابق آپ اس کی تشریح کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں سب سے زیادہ نماز قائم کرنے کی ہدایت کی ہے اور اس کے بعد دوسری جو ہدایت ہے، جس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، اس کے مطابق یہی ہے کہ حالات کے مطابق اس پر فکر کریں، اجتہاد کریں اور اسلامی tradition کے مطابق اس کا کوئی حل نکال کر اس پر عمل کریں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پتھر کے زمانے میں یا اسی پسماندگی کے علاقے میں تاریک دور کی روایات کے ساتھ چمٹے رہنے کی بجائے ہمیں اس کا کوئی صحیح حل نکالنا ہوگا۔ اس کے لیے بلوچ سرداروں کو اور بلوچ نمائندوں کو اور بلوچستان کے دوسرے پختون نمائندوں کو اس بات سے یقیناً اتفاق کرنا ہوگا کہ جو کچھ ان کے حقوق ہیں بلکہ ان کے حقوق

سے اگر زیادہ بھی ان کو دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کی آبادی تھوڑی ہے، ان کے وسائل تھوڑے ہیں اور پنجاب میں ایک میل سڑک سے دس ہزار بندے مستفید ہو سکتے ہیں۔ وہاں دس میل سڑک بنائیں تو شاید ۲۰۰ بندوں کے لیے فائدہ مند ہو لیکن چونکہ حالات و واقعات ایسے ہیں ہمیں ایسی sacrifice تو کرنا ہی ہوگی، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ فوج کشی سے یقیناً اجتناب کرنا ہوگا۔ ہمیں ان بھائیوں کی عزت کرنا ہوگی ان بھائیوں سے بھی یہ درخواست ہوگی کہ وہ بھی اپنی پرانی traditions کو چھوڑ کر، سرداری زبردستی کے ساتھ مسلط نہیں ہو سکتی یقیناً صحیح سرداری وہی ہوتی ہے جو عوام الناس کے دلوں پر سرداری قائم کی جائے۔ ان کی بہتری، ان کی ترقی اور ان کی اخوت کے لیے اگر ان کی مدد کی جائے تو یقیناً وہ سرداری ہے جیسے کہپنجاب میں اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پنجاب بہت بڑا گنجان علاقہ ہے ۔ میرا تعلق ضلع شیخوپورہ سے ہے۔ ابھی میں ان سے بات کر رہا تھا کہ وہ چھتیس لاکھ کی آبادی کا علاقہ ہے۔ اس میں سات ایم این اے ہیں لیکن بعض ایسے چھوٹے چھوٹے ضلعے ہیں جہاں ایک ایم این اے ہے کسی جگہ دو ایم این اے ہیں تو اس طرح سنٹرل پنجاب میں آبادی کا دباؤ بہت زیادہ ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ غربت بھی اسی لحاظ سے، اسی لحاظ سے وسائل بھی کم ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جو کچھ بھی ہے پھر بھی ہم پاکستان کے لئے اور ملک کے لئے اور بلوچستان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ رکھتے ہیں کہ جو وہ چاہتے ہیں ان کو دیا جائے لیکن پاکستان کی سالمیت اور پاکستان کی خودمختاری کو تاقیامت قائم رہنا چاہیے اور اسے بلکہ مضبوط، متحد اور وسیع ہونا ہوگا تاکہ پاکستان کی تخلیق کی اور پاکستان کے قائم ہونے کے اصل مقاصد کو حاصل کیا جاسکے ۔وہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ ہم سارے مسلمان بھائی جو اتفاق سے ایک ایسے خطہ میں واقع ہیں جہاں ہم پاکستانیوں ہی کی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی اور ساری انسانیت کی ہم بہتر طور پر خدمت کرسکتے ہیں، ان کی قوت اور عزت میں اضافہ کرسکتے ہیں ۔

جناب والا! میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں دونوں اطراف پر اس کو ایک مذاکراتی رنگ دے کر اور بلوچ سرداروں کو اور بلوچ عوام کو، پختون عوام کو اکٹھے کرکے اور یہاں سے ذرا کھلے دل کے ساتھ بغیر کسی فوج کشی کے اور بغیر کسی جارحانہ انداز کے ہمیں انہیں اپنا بھائی سمجھ کر ان کی عزت کرنا ہوگی اور ان کے ساتھ مذاکرات کرکے ان کا صحیح حل بنانا ہوگا۔ جیسا کہ ابھی محترمہ

بات کر رہی تھیں ۔ لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کا واقعہ بڑا دردناک ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ جو دوسری version ہے کہ انہوں نے خود اس بات کو چھپایا اور انہوں نے یہ سب کچھ خود نہیں کیا ۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی بلاوجہ حکومت کو موردالزام ٹھہرانا مناسب نہیں ۔ حقائق ' حقائق ہوا کرتے ہیں ۔ حقائق سے آنکھیں چرانے سے یقیناً کوئی پیش رفت ہوتی ہے نہ اس کا کوئی حل ہوتا ہے ۔ ہمیں اس کو ٹھنڈے دل سے حوصلے کے ساتھ دونوں اطراف کو دیکھ کر اور balance view لیتے ہوئے بلکہ خاص طور پر بلوچستان اور بلوچستان کے رہنے والوں کے لئے ذرا زیادہ عزت اور زیادہ خدمت کے جذبہ سے ہمیں ان کے سامنے جا کر اس کا حل نکالنا چاہیے ۔

جناب والا! آخر میں ' میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنے پاکستان کی بقا اور پاکستان کی سالمیت پر حملہ نہیں کرنا چاہیے یقیناً یا پاکستان کے بننے کے حوالے سے یہ جو غلط جواز پیش کرتے ہیں کہ یہ تھا اس قسم کی باتیں against Islam, against country اور against national interest ہیں ۔ ہمیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے ۔ میں ہر وقت حکومت کو اس لئے نہیں کہ حکومت جارحانہ ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر فرض کریں کہ ڈیرہ بگٹی میں سوئی گیس کی نگرانی آپ نہیں کریں گے تو یہ کیسے کام چلے گا ۔ اگر نگرانی کریں گے تو وہ مسلح آدمیوں نے کرنی ہے اور انہوں نے دن رات کرنی ہے ۔ اگر وہاں راکٹ لانچرز اور میزائل وغیرہ استعمال ہو رہے ہیں تو یقیناً یہ غریب بلوچوں کا کام نہیں ہے اس میں کچھ بیرونی ہاتھ بھی کارفرما ہیں۔ اگر بیرونی ہاتھ کارفرما ہیں تو وہ انڈیا ہوسکتا ہے یا امریکہ ہوسکتا ہے یا کوئی اور ہو سکتا ہے تو بھی وہ کیوں ہے وہ بھی آخر کار اسلام کا' پاکستان کا اور بلوچستان کا نقصان ہے ۔ ہمیں اس سے آگاہ رہنا چاہیے اور آگاہی کے ساتھ ساتھ ہمیں فرض منصبی ' اپنی غربت اور اپنی اس کمزوری اور پسماندگی کو stake دے کر یا اس پر ہمیں بکنا نہیں چاہیے ہمیں پھر بھی اپنے national interest اور مذہبی interest کو سامنے رکھنا ہو گا ۔

جناب والا! اس لحاظ میری گزارش یہ ہو گی کہ ہمیں مذاکرات کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اور بلوچ عوام کی عزت اور ان کے جذبات اور ان کے مطالبات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا حل کرنا چاہیے ۔ ہرصورت فوج کشی یا جارحانہ انداز سے بات نہیں کرنی چاہیے لیکن ساتھ ہی ساتھ جو assets ہیں حکومت کے یا قوم کے ان کی نگرانی اور ان کی ترقی ہو اور بلوچستان میں ان کی

education اور صحت اور دوسری سہولیات میں کوئی رکاوٹ بنے تو یقیناً ان کو ہٹانا ہوگا خواہ اس کے لئے سخت ہاتھ ہوں یا اس کے لئے ذرا زبردستی کرنی ہو لیکن قانون سب کے لئے ایک ہے ۔ بلوچستان ہو ' سندھ ہو ' پنجاب ہو ' سرحد ہو سب کے لئے rule of law لیکن سب کچھ انصاف اور رواداری اور balanced عقیدے کے ساتھ ہونا چاہیے ۔ کسی کے ساتھ زیادتی' کسی کے ساتھ بے انصافی ۔ کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ اس لحاظ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں آگے بڑھ کر کھلے دل کے ساتھ دونوں side پر کچھ دو' کچھ لو' کچھ وہ مانیں' کچھ یہ مانیں لیکن ترقی کے دور اور ترقی کے عمل کو روکنا مناسب نہیں ہے۔ یقیناً بلوچستان جو کہ rich of resources ہے اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہے' اس سے فائدہ لینے کے لئے اور صحیح طور پر اگلی نسلوں کے لئے' بلوچ نسل کے لئے' پختون نسل کے لئے ایک بہتر مستقبل پاکستان کے سامنے موجود ہے۔ ہمیں اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر کہ ایک قبیلہ کہیں دوسرے قبیلے سے بازی نہ لے جائے اس قسم کے جذبات کا سدباب کرتے ہوئے کھلے دل سے' انصاف کے ساتھ ہمیں اس سارے معاملے کو بڑی خوصلہ مندی' خلوص اور اطمینان کے ساتھ اسے حل کرنا ہو گا۔ فوج کشی' زبردستی یا جارحانہ انداز سے اجتناب کرتے ہوئے ہمیں بلوچستان کے عوام کی خواہشات کے مطابق ان کے جو بھی جائز اور معقول مطالبات ہیں انہیں ہرصورت ماننا چاہیے۔ چھوٹے موٹے بہانے' کسی واقع' کسی ڈکیتی' کسی قتل یا کسی اور حادثے کا بہانہ بنا کر ہمیں پاکستان کی سالمیت اور اس کے وسیع تر مفاد کو نقصان پہنچانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ میں انہی الفاظ کے ساتھ آپ کے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب چیئرمین: جی شیر افگن صاحب۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی (وفاقی وزیر برائے پارلیمانی امور): مجھے ایک منٹ بات کرنے کی اجازت دیں۔ جناب والا! گزارش یہ کہ یہاں پر معزز اراکین بڑی خوبصورت تقریریں کر رہے ہیں اور جن کے جو خیالات ہیں وہ پیش کر رہے ہیں۔ ایک بات میری سمجھ سے بالا تر ہے کہ پاکستان کی ایک اکائی جس کا نام بلوچستان ہے' صرف وہ بلوچوں کے رہنے کا صوبہ تو نہیں' وہ کثیر القبائل صوبہ ہے۔ صرف بلوچوں پر ظلم ہو رہا ہے یا اس کے ساتھ 40% پٹھان ہیں'

دوسرے قبائل ہیں، دوسری ذات پات کے لوگ ہیں، وہاں پر قریشی، سادات اور دوسرے قبائل بھی ہیں، یعنی پٹھانوں کو اگر 40% کرلیں تو 60% بلوچ ہیں تو دوسری برادریوں، قوموں اور ذاتوں کا بھی اس میں تصور ہے۔ یہاں پر ایک بات مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ صرف بلوچوں پر ظلم ہو رہا ہے، انہی کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو قبائل ہیں وہ صوبے کی صورت میں پاکستان کا حصہ ہیں۔ یہ بات میں نے نہیں سنی کہ بحیثیت پاکستانی یعنی آپ باہر بھی تشریف لے جاتے ہیں، میں بھی تمام دنیا میں گیا ہوں تو ایک بات ہر جگہ ہوتی ہے کہ ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ کون ہیں تو وہ کہتے ہیں ہم امریکن ہیں یا آپ برطانیہ میں جائیں تو کہتے ہیں ہم Britishers ہیں، China میں جائیں تو Chinese ہیں۔ یہاں پر یہ بات بڑی دلچسپ ہے اور یہاں پر proportionally اگر قبیلہ بڑی تعداد میں ہے تو اس صوبے کے حوالے سے سارے ظلم اور اس کی ساری مایوسیاں attach کی جا رہی ہیں۔ ہمارے جو ساتھی بلوچستان سے یہاں تقریر فرمائیں گے وہ کیا اس چیز کی وضاحت فرمائیں گے کہ صرف بلوچوں پر ظلم ہو رہا ہے یا دوسرے پٹھانوں اور ذاتوں کے لوگوں پر بھی ہو رہا ہے؟

جناب چیئرمین: اس پر سرور کاکڑ صاحب نے پختون کے بارے میں ذکر کیا تھا۔ پروفیسر محمد ابراہیم خان۔

سینیٹر پروفیسر محمد ابراہیم خان: (عربی) شکریہ جناب چیئرمین! آپ نے مجھے اس حساس مسئلے پر بات کرنے کا موقع دیا۔ 2 اور 3 جنوری کی درمیانی شب کو صوبہ بلوچستان کے ضلع بگٹی کے تحصیل سوئی میں ایک لیڈی ڈاکٹر کی عزت پر حملہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں ہمارے بلوچستان کے دوستوں کے جذبات یقیناً کچھ زیادہ ہیں اور یہ بالکل فطری بات ہے اور ہمیں اس بات کا انہیں allowance دینا چاہیے کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار یقیناً ذرا جذباتی انداز میں کریں گے۔ اس کے جواب میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگر کسی جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں قانون ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہی یہ موقع ملنا چاہیے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں، ان پر مقدمہ چلائیں، عدالت کے سامنے پیش کریں اور ان کو سزا دیں۔ یہ بات بھی درست ہے کہ قانون افراد ہاتھ میں نہ لیں بلکہ حکومت اور سرکار اس کا نفاذ کرے اور

قانون کے تقاضے، انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ یہاں اس واقعے کے نتیجے میں دو سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ 2 اور 3 کی درمیانی رات کو یہ واقعہ ہوا ہے اور پھر 7 سے 11 جنوری تک سرکاری اور قومی املاک اور تنصیبات پر حملے ہوئے اور ان کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ عوام کی طرف سے بھی جانی نقصان ہوا ہے اور حکومتی اہلکاروں کی طرف سے بھی جانی نقصان ہوا ہے۔ اس کے بعد حکومت کی طرف سے یہ بار بار اعلان ہو رہا ہے کہ حکومت بلوچستان میں کوئی military اور فوجی operation کرنا نہیں چاہتی لیکن اس بات کا کسی کو یقین نہیں آ رہا اور بار بار یہ مطالبہ دہرایا جا رہا ہے کہ فوجی operation نہیں ہونا چاہیے اور مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کو حل ہونا چاہیے۔

دو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ لوگ قانون ہاتھ میں کیوں لے لیتے ہیں اور سرکاری اداروں کو یہ موقع کیوں فراہم نہیں کیا جاتا، ان کے ساتھ تعاون نہیں کیا جاتا کہ وہ قانون نافذ کر کے مجرم کو قرار واقعی سزا دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب حکومت بار بار اعلان کر رہی ہے کہ اس کا کوئی ارادہ نہیں کہ فوجی operation ہو پھر بھی یقین نہیں کیا جاتا اور پھر بھی یہ مطالبے ہوتے ہیں کہ مذاکرات کے ذریعے مسئلہ حل کیا جائے اور فوجی operation نہیں ہونا چاہیے۔ جناب چیئرمین! واقعات کا ذکر تو میرے دوستوں نے امان اللہ کنرانی صاحب نے اور ان کے بعد ثناء اللہ بلوچ صاحب نے بھی کیا۔ میں اختصار کے ساتھ چند اشارات کروں گا، ان دو سوالات کا جواب اصل میں، میں دینے کی کوشش کروں گا۔ پہلی بات کہ لوگ قانون ہاتھ میں کیوں لیتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی کو یہ اعتماد نہیں ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے کسی مجرم کو قرار واقعی سزا دیتے ہیں اور ان کو پکڑ کر عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ یہاں پر کئی حضرات نے اور کئی بہنوں نے یہ بات کی کہ اس طرح کے واقعات بے شمار ہوتے رہے ہیں جو بھی واقعہ ہوا ہے، یہ واقعہ انتہائی سنگین ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قتل سے بھی سنگین تر ہے جو خاتون اس واقعہ شکار ہوئی ہے، وہ تو میں سمجھتا ہوں کہ زندہ در گور ہونے کے مترادف ہے۔ اس لحاظ سے یہ قتل سے بھی اور اگر اس کو قتل کیا جاتا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس سے کم تر جرم تھا، یہ جو فعل ہوا ہے، اس کے قتل کرنے سے بھی بہت بڑا جرم ہے۔ کسی اور خاتون کے ساتھ یہ واقعہ ہو تو یہ بھی بہت بڑا جرم ہے لیکن یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں، ان واقعات کے مجرموں کو قرار واقعی سزا نہیں ملتی۔ قتل کے واقعات ہوتے ہیں اور قاتلوں

کو سزا نہیں ملتی۔ دوسری وجوہات کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس وقت جو قانونی اور عدالتی نظام ہے، ہم کو انگریز سے ورثے میں ملا ہے، اس میں جو انقلابی تبدیلیاں لائی جانی چاہئیں تھیں، وہ تبدیلیاں نہیں لائی گئیں۔ اس قوم کے، اس ملک کے بنیادی نظریے کے مطابق اس میں تبدیلیاں لانی ضروری ہیں۔ جب تک وہ تبدیلیاں نہیں لائی جاتیں۔ یہ نظام جوں کا توں رہے گا۔ میں صرف اس حکومت کو یعنی موجودہ حکومت کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا، شروع دن سے یہ کام ہوتا رہا ہے اور بگاڑ پھیلتا چلا جا رہا ہے اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجرم کو سزا نہیں ملتی اور اس کے نتیجے میں پھر لوگ آگے بڑھتے ہیں، ان کو اعتماد نہیں ہوتا کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اس مجرم کو سزا دے سکتے ہیں۔ اس لئے وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ اگر حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے آگے بڑھیں اور مجرم کو سزا دیں تو مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے گا اور قانون کے مطابق اور نظام کے مطابق وہ آگے بڑھیں گے۔ اس وقت نظام میں، اس قانونی اور عدالتی نظام میں سقم یہ بھی ہے، ایک مسئلہ یہ بھی ہے، بہت بڑا مسئلہ اور المیہ ہے کہ وقت کے حکمران کو قانون کے نفاذ میں اور قانون پر عمل کرنے میں اس کو مثالی کردار ادا کرنا چاہیے۔ شروع دن سے یہی ہوتا رہا ہے کہ ہر حکمران اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتا ہے اور دوسروں پر وہ قانون نافذ کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں قانون کا نفاذ نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی ہم اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔

جناب چیئرمین! بات ذرا آگے بڑھ جاتی ہے لیکن بات کرنے کی ہے کہ اس وقت نمبر 1 پوزیشن میں جو صاحب ہیں۔ ان کی ذات سے ہمیں کوئی پرخاش نہیں ہے، ذاتی حیثیت سے وہ ہمارے لئے محترم ہیں لیکن اگر وہ قانون نافذ کرنے میں رکاوٹ بنیں گے اور وہ خود کو قانون سے بالاتر قرار دے دیں گے اور قانون دوسروں کے لئے ہوگا تو پھر یہ قانون نافذ نہیں ہو سکتا اور قانون کی حکمرانی یہاں پر قائم نہیں ہو سکتی۔ قانون شکنی کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے۔ آئین کی خلاف ورزی وہاں سے ہوتی ہے۔ جناب چیئرمین! کل بھی یہ بات ہوئی ہے۔ آئین کے بارے میں جناب محترم وزیر پارلیمانی امور نے ہمیں سکھانے اور پڑھانے کی کوشش کی ہے۔ ہم ان سے سیکھیں گے لیکن میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اس وقت جو معاہدہ MMA اور حکومت کے درمیان ہوا تھا، اعتماد کا فقدان ایک اور مسئلہ ہے، حکومت اور MMA کے درمیان جو معاہدہ ہوا، اس معاہدے

کی بہترین تشریح وہی ہے جو ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲ء کو جناب جنرل پرویز مشرف صاحب نے T.V پر آکر پوری دنیا کو سنائی۔ یہ بات کافی ہے۔ انہوں نے خود کہا اور آج تک اس بات کی تردید نہیں کر سکتے اور نہ اس کی پوزیشن میں ہیں۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا اور اس وعدے کا نبھانا ان کے لئے لازمی تھا لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اپنا وعدہ نہیں نبھایا اور اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ اب اس کے بعد پھر کون کس پر اعتماد کرے؟ کہ وہ اس پوزیشن میں بیٹھ کر وعدہ خلافی بھی کرتا ہے اور وہ آئین شکنی بھی کرتا ہے۔ یہیں سے قانون کی حکمرانی ختم ہو جاتی ہے۔

جناب چیئرمین! میں دوسری بات یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ امن وامان کی صورتحال کو بحال رکھنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ امن و امان بحال رکھنے والے ادارے پوری قوم کے تحفظ پر لگے ہوئے ہوں اور یہ ان کی ڈیوٹی اور ذمہ داری ہو لیکن جب صورتحال یہ ہوتی ہے کہ تحفظ فراہم کرنے والے ادارے حکمرانوں کے تحفظ میں لگ جاتے ہیں تو پھر نہ حکمرانوں کے لئے تحفظ ہوتا ہے اور نہ قوم کے لئے تحفظ ہوتا ہے۔ اس لئے امن و امان کی صورتحال انتہائی سنگین تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

جناب چیئرمین! میں نے گزارش کی ہے کہ میں صرف اشارات کروں گا۔ یہ ۲ اور ۳ جنوری کی درمیانی شب کو واقعہ ہوا اور ۸ تاریخ کے اخبار میں یہ خبر ہے کہ Police looking for accused of gang rape in Sui. اور اس میں پھر ساری تفصیل ہے کہ PPL کے ذمہ داران کا رویہ کیا ہے اور وہاں پولیس جو کچھ کرنا چاہتی ہے ان کو کرنے نہیں دیا جا رہا ہے۔ ۵ دن گزرنے کے باوجود مجرموں تک ان کو رسائی بھی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ پھر ۱۰ تاریخ کے اخبارات میں بلوچستان حکومت کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ Balochistan Government claims progress in probe. لیکن یہ probe اس کے بعد کافی عرصے تک چل رہا ہے۔ جناب چیئرمین! یہ حالات ہیں۔ ایک طرف جرم ہوا ہے اور اس جرم کے مجرموں تک رسائی پولیس کو حاصل نہیں ہو رہی ہے اور سرکار کے دوسرے ادارے ان مجرموں تک قانون نافذ کرنے والے اور انصاف فراہم کرنے والے اداروں کو نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ اس دوران اشتعال میں آکر لوگ کچھ کارروائی کر بیٹھتے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے اس بات

کا اہتمام کیا جائے کہ ملزموں کی جو نشاندہی ہوئی ہے تو ان ملزموں کو گرفتار کیا جائے اور عدالت کے سامنے پیش کیا جائے لیکن اس کی بجائے کہا یہ جاتا ہے۔ یہ جنرل پرویز مشرف صاحب کا بیان ۱۲ جنوری کو چھپا ہے' President warns tribesmen of tough action. اور ان کے الفاظ قابل غور ہیں۔

"Don't push us. This is not the Seventies", he said, referring to an insurgency in Balochistan which was put down by the military in the 1970s. "They will not even know what has hit them".

جناب چیئرمین! اگر یہ صورتحال ہو، بااختیار اور مقتدر شخص اس طرح کی دھمکیاں دینے لگے تو اس طرح تو امن و امان کی صورتحال بحال نہیں ہوسکتی۔ امن و امان کی صورتحال اور بھی بگڑ جاتی ہے۔ جناب چیئرمین! میں عرض کرنا چاہوں گا کہ جنرل پرویز مشرف صاحب کو دھمکیاں دینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ moderate نکل آئیں اور extremists کے خلاف صف آراء ہوں۔ بجائے اس کے کہ وہ moderates اور extremists کے درمیان بھی مذاکرات کریں اور extremists کو بھی moderate راستہ دکھائیں۔ کیا وہ اس ملک کو میدان جنگ اور میدان کارزار بنانا چاہتا ہے کہ اس ملک کے اندر امریکہ کے مفادات کی خاطر ہم آپس میں لڑ پڑیں، ہم تو ایک ہیں ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنی چاہیے اور ایک دوسرے کی بات سننی چاہیے اور وہ ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں کہ مسجد میں تم یہ کرتے ہو اور یہ کرتے ہو اور تمہیں نہیں کرنا چاہیے اور وہ داڑھی اور حجاب کے خلاف بات کریں گے تو پھر مسجد سے یقیناً آواز اٹھے گی۔ ان کا یہ کام نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم اپنے نظریات میرے اوپر مسلط نہ کرو اور میں داڑھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ کسی بھی شخص نے یہ بات نہیں کی کہ جنرل مشرف صاحب داڑھی چھوڑے، ان پر کوئی یہ بات مسلط نہیں کر رہا لیکن ان کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے اور اپنے خیالات و نظریات کو ٹھونسے اور مسلط کرے۔ ہم اپنے خیالات و نظریات رکھتے ہیں۔ اگر دلیل کی زبان میں وہ ہمیں قائل کر سکتے ہیں، ہم ان کی بات مان لیں گے لیکن زبردستی اور بندوق کی نالی سے اور گولی کی زبان میں وہ ہم پر اپنے نظریات مسلط کرنا چاہے تو وہ کبھی بھی نہیں کیے جا سکتے۔

جناب چیئرمین! اس کے بعد میں یہی عرض کرتا ہوں کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جو کچھ ہو رہا تھا اس کا ازالہ ہوتا لیکن اس ازالے کی طرف کچھ نہیں کیا جارہا اور فوجی اپریشن جس کے بارے میں میں نے عرض کیا کہ لوگوں کو حکومت کی ان باتوں کا یقین نہیں آ رہا کہ فوجی اپریشن نہیں ہو رہا اس کی وجہ یہ ہے کہ صوبے کی طرف سے ابھی مرکز کو کوئی بات نہیں کہی گئی لیکن مرکز اپنی طرف سے بات کر رہا ہے 13th January کے اخبار کی خبر ہے۔

Center to act if asked by Balochistan Government. Sherpao says, "Writ of the Government will be established in Sui with tanks, troops, helicopters. Gunship deployed".

یہ صورتحال ہے اور اس صورتحال میں ان الفاظ کے کیا معنی ہیں؟ کیا ان سے یہ معنی نہیں نکلتے کہ مرکزی حکومت کا یہی ارادہ ہے کہ وہاں پر وہ فوجی اپریشن کرے اور یہ صوبائی حکومت سے پہلے مرکزی حکومت، صوبائی حکومت سے کہہ رہی ہے۔ کیا صوبائی حکومت کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جارہا کہ وہ مرکز سے یہ بات کہے اور اس کے بعد پھر 15 تاریخ کی خبر یہی ہے کہ صوبائی حکومت نے نہیں معلوم کن حالات میں اور کیسے مرکزی حکومت سے یہ بات کہی کہ وہ تعاون کرے اور اس کے بعد پھر مرکزی کابینہ کی طرف سے 18 تاریخ کو یہ بات آتی ہے ---

Government resolves to protect Sui Gas field. Cabinet ruling alliance parties discuss Balochistan situation.

اور اس میں یہی فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ہم وہاں پر یہ کریں گے اور وہ کریں گے اور اس کے نتیجے میں یقیناً لوگوں کے خدشات دور نہیں ہو رہے بلکہ خدشات اور بڑھ رہے ہیں اور پھر ان واقعات کے دوران 27 جنوری کو یہ کہا جاتا ہے کہ Army sets up garrison in Sui ان حالات میں اگر آپ یہ بات کریں گے تو یہ جلتی پر تیل کا کام ہی ہوگا۔ یہ وقت اس بات کا نہیں ہے کہ آپ یہ کہیں کہ وہاں پر حالات خراب ہیں، لوگ جذبات میں ہیں، اشتعال میں ہیں اور لوگ چھاؤنیاں نہیں چاہتے اور صوبائی اسمبلی قراردادیں پاس کر رہی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ ہم سوئی میں garrison بنائیں گے تو حالات خراب نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا اور جناب چیئرمین! میں کہنا چاہوں گا کہ

آپ یہ کہیں کہ وہاں پر حالات خراب ہیں، لوگ جذبات میں ہیں، اشتعال میں ہیں اور لوگ چھاؤنیاں نہیں چاہتے اور صوبائی اسمبلی قراردادیں پاس کر رہی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ ہم سوئی میں garrison بنائیں گے تو حالات خراب نہیں ہونگے تو اور کیا ہوگا اور جناب چیئرمین! میں کہنا چاہوں گا کہ

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے۔
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

جو لوگ اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ وہ آگ کو ٹھنڈا کریں وہ خود اس طرح کے بیانات دینے لگے ہیں۔ اس کے بعد پھر 29 تاریخ کو یہ خبر آتی ہے Sui colonies to be moved away from plant وہاں پر چھاؤنی بنانے کی بھی بات ہوتی ہے اور مقامی لوگوں کو بےدخل کرنے کی بھی بات ہوتی ہے تو اس سے پھر پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ کو اور پاکستان کی سالمیت کو اصل خطرہ یہاں سے ہے۔ یہ غیر ذمہ دارانہ بیانات اور اس طریقے سے یہ باتیں۔۔

جناب چیئرمین! دو اور تین جنوری کی درمیانی شب کا واقعہ ہے اور 29 جنوری کو یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ Sui PPL manager among four held for Dr. Shazia rape اور ان کو بھی bail before arrest دی گئی تھی اور ان میں کیپٹن کا نام نہیں ہے اور افراد وہ ہیں جن کو دوسری وجہ سے کہ انھوں نے PPL کے General Manager سے غلط بیانی سے کام لیا کہ case rape کا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ dacoity case تھا اس وجہ سے ان کی bail cancel ہوئی ہے اور تین دوسرے افراد بھی جیل بھیجے گئے ہیں۔ جناب چیئرمین! یہ اصل میں وہ مسئلہ ہے کہ لوگوں کو یہ اعتماد نہیں ہے کہ قانون کے ذریعے سے بھی کسی کو کوئی سزا ملتی ہے، اس لیے لوگ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور حکومت بار بار اعلان کر رہی ہے کہ ہم فوجی operation نہیں کر رہے لیکن دوسری باتیں ایسی ہو رہی ہیں کہ لوگوں کو یہ یقین حاصل نہیں ہو رہا کہ حکومت کی اس بات میں سچائی ہے اور صداقت ہے، اس لیے حکومت کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔

جناب چیئرمین ! میں ایک بات یہ بھی عرض کروں گا کہ اس طرح کے واقعات جو ہو رہے ہیں اس کا علاج تو حقیقت میں اسلامی تہذیب کو فروغ دینا ہی ہے لیکن اس وقت ملک میں

enlightenment کا درس دیا جا رہا ہے اور جس طرح سے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی ہے اور اسلام کی بنیاد پر تیشہ چلایا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں پھر لوگوں میں یہ اشتعال بڑھ رہا ہے اور لوگوں میں یہ ہیجان خیز اشتعال انگیزی کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ تقویٰ اور خدا خوفی اور احساس آخرت کو اجاگر کرنے میں اپنا کردار ادا کریں، اس طریقے سے یہ واقعات ختم ہو سکتے ہیں۔

جناب چیئرمین! اس بات کی ضرورت ہے کہ دھمکیوں کی بجائے حکمران فہم و فراست اور تدبر کا مظاہرہ کریں اور دھمکیاں تو وہ شخص دیتا ہے جس کا ظرف چھوٹا ہو۔ وسیع الظرف شخص دھمکیاں نہیں دیتا، وسیع الظرف شخص کی زبان میں بھی مٹھاس ہوتی ہے اور وہ بڑی تلخ بات بھی اگر کہنا چاہے تو وہ میٹھے انداز میں کہتا ہے۔ اس لیے یہ کم ظرفی کا مظاہرہ ہے اور یہ کہ کسی میں فہم و فراست اور تدبر نہیں ہے۔

جناب چیئرمین! میں عرض کرنا چاہوں گا کہ بلوچستان کے ان واقعات کو ہم عالمی تناظر سے اور عالمی صورتحال سے ہٹا نہیں سکتے۔ اس وقت بلاشبہ گوادر کے بارے میں بلوچستان کے دوستوں کے خدشات کو دور کرنے کی ضرورت ہے لیکن اس بات کا میں اعتراف کرتا ہوں کہ گوادر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ پورے ملک کے لیے ایک فائدے کی بات ہو گی اور بلوچستان کے عوام کے لیے بھی فائدے کی بات ہو گی۔ پاکستان اور چین تو براہ راست اس سے مستفید ہوں گے اور اس کے منفی اثرات بالکل واضح ہیں۔اس لیے بلوچستان کے اندر بھارت اور امریکہ نہیں چاہتا کہ یہاں پر امن و امان ہو اور جو کچھ ہو رہا ہے اس بات پر بھی ہمیں نظر رکھنی چاہیے، بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نے کہا تھا کہ بلوچستان کے اندر RAW کے Camp موجود ہیں اور ہم نے بار بار یہ بات کی ہے کہ جلال آباد اور قندھار کے جو بھارتی کونسلیٹ ہیں وہ تخریب کاری کے لیے استعمال ہو رہے ہیں اور وہاں سے لوگوں کو بھیجا جا رہا ہے، اس پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

جناب چیئرمین! میں بڑے افسوس سے یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس وقت دشمن کو دوست سمجھ رہے ہیں اور دوست کو دشمن سمجھ رہے ہیں اور ہم نے ایسا رویہ اختیار کیا ہوا ہے کہ دوستوں کو دور کر رہے ہیں۔ بھارت اور امریکہ یہ پاکستان کے کبھی بھی دوست نہیں رہے۔ میں یہ بات عرض کرنا چاہوں گا میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم کسی کے خلاف اعلان جنگ کر دیں

جناب چیئرمین! میں بڑے افسوس سے یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس وقت دشمن کو دوست سمجھ رہے ہیں اور دوست کو دشمن سمجھ رہے ہیں اور ہم نے ایسا رویہ اختیار کیا ہوا ہے کہ دوستوں کو دور کر رہے ہیں۔ بھارت اور امریکہ یہ پاکستان کے کبھی بھی دوست نہیں رہے۔ میں یہ بات عرض کرنا چاہوں گا میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم کسی کے خلاف اعلان جنگ کر دیں لیکن جو دشمن ہے ہمیں اسے دشمن ہی تصور کرنا چاہیے اور دشمن کو اگر ہم دوست تصور کرتے ہیں تو اس سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہو گی اور اس وقت ہم اسی راستے پر چل پڑے ہیں۔

جناب چیئرمین! ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اندرونی خطرات کو no external threat to country. جنرل پرویز مشرف صاحب کہہ رہیں ہیں کہ باہر کے خطرات تو سارے ختم ہو گئے ۔ امریکہ کا خطرہ بھی ٹل گیا کیوں کہ ہم نے راستہ دے دیا اور جیکب آباد کے ائرپورٹ آج بھی امریکہ کے قبضے میں ہے اور اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جیکب آباد کے ائرپورٹ کو وہ خالی کریں گے ۔ No plan of its forces to vacate Shahbaz Airport اور یہ صورتحال ہے امریکیوں کو ہم نے بٹھایا ہے ۔

Mr. Chairman: There is neither any American nor American Force,

پاکستانی Force ہے میرا وہ شہر ہے It is the Pakistan Airforce. کمرشل فلائٹس کہاں جا رہی ہیں۔

پروفیسر محمد ابراہیم خان، جناب چیئرمین! یہ سات جنوری کی خبر ہے ۔

"There is no plan of the US authority to vacate Shahbaz Air Base Jacobabad," a senior official of the Civil Aviation Authority told "the News" on Thursday. "Just after 9/11 the US authority took control of the Shahbaz Airbase as the base camp for their operation in Afghanistan. Although operation from Jacobabad has shrunk substantially but there is no sign of vacating the Airport by the US Forces", the official said on

condition of anonomity, " Not only the entire area is still under strict control of the US authorities but the located flying height is all under the usage of the USA Aircraft," he said, adding,

"the CAA has not been allowing any aircraft in that corridore to fly between 30 thousand to 34 thousand feet. This altitude is restricted area for all the planes accept for the coalition forces. "He said, adding that, "Even the aircrafts of the Pakistani Air Force are not allowed to operate in the above heights." The official said," The CAA is not under contact with the US authorities, the Government of Pakistan through the Ministry of Defence is directly involved in this regard, therefore, there is no question of receiving the charges for the usage of airport by the CAA", he said. The Ministry of Defence also categorically told the CAA that Jacobabad Airport originally belongs to the PAF, therefore, the usage of the airport by the US Forces is not a CAA matter", he said.

جناب چیئرمین، میں ایک عرض کردوں ذرا۔ ایک تو anonimity کا issue ہے۔ جہاں بات anonimous ہوتی ہے، اس کی relevance پر بھی doubt آ جاتا ہے اور کیونکہ خود ہی آپ نے آخر میں کہا ہے کہ Air Force کے control میں ہے تو Civil Aviation والے کو کیا پتا کہ Air Force کا کیا ہے؟ یہ میں آپ کو عرض کردوں کہ control Air Force کا ہے وہاں پر because میں وہاں پر کبھی کبھی land بھی کرتا ہوں اور وہاں سے باقاعدہ flights شروع ہونے والی ہیں۔

سینیٹر پروفیسر محمد ابراہیم درست ہے۔ یہ بات تسلیم ہے مجھے کہ Air Force کے control میں ہے لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ امریکن اس وقت بھی وہاں پر موجود ہیں اور وہ اپنی کارروائیاں کر رہے ہیں۔

سینیٹر پروفیسر محمد ابراہیم خان: میں نے denial بھی پڑھا ہے جناب اور denial میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ہم صرف intelligence معلومات ان کو دے رہے ہیں۔ یعنی جو ملک ہمارے خلاف یہ الزام لگا رہا ہے ان کو تو بالکل صاف جواب دینا چاہیے کہ ہم آپ کو کچھ بھی نہیں دے سکتے لیکن denial کے ساتھ ہی ISPR کے spokesman Major General Shaukat Sultan کا بیان ہے اور اس میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہم ان کو intelligence کی معلومات فراہم کر رہے ہیں اور میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہم دوست کو دشمن سمجھ رہے ہیں اور دشمن کو دوست سمجھ رہے ہیں۔ بلوچستان کے واقعات اور حالات میں یہ ہمارے لیے انتہائی سنگین ہے۔ اس ملک میں اس بات کی ضرورت ہے کہ قانون کی حکمرانی ہو۔ Number one position میں جو شخص ہے وہ سب سے پہلے قانون پر خود عمل کرکے دکھائے اور قانون پر عمل کرکے دکھانے میں بہترین بات ان کی یہ ہوگی کہ وہ اس بات کا اعلان کردے کہ اس نے صدارت کو بھی چھوڑ دیا ہے' اس نے Chief of Army Staff کا منصب بھی چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ قانون کے تقاضے ہیں۔ صدارت کے لیے وہ پارلیمنٹ کو اور صوبائی اسمبلی کو جو Electoral College ہے اس کو اختیار دے کہ وہ اپنا صدر منتخب کرے اور جو next senior most general ہے اس کو Chief of Army Staff کا منصب دے دے۔ یہ قانون کی حکمرانی کی بہترین مثال ہوگی لیکن اگر number one position کا فرد یہ کام نہیں کرے گا تو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قانون کی حکمرانی قائم نہیں ہوگی۔

آخری بات جناب چیئرمین! میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ بلوچستان کے حالات کو درست کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اعتماد کی فضا کو بحال کیا جائے، لوگوں کو اعتماد میں لیا جائے اور احساس محرومی کا ازالہ کیا جائے' اس کے بغیر شاید وہاں کے حالات اور امن و امان کی صورتحال بلوچستان اور نہ ہی پورے ملک میں درست ہو سکے گی۔ بہت بہت شکریہ جناب چیئرمین۔

Mr. Chairman: Do you want to take any more speaker now?

درست کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اعتماد کی فضا کو بحال کیا جائے، لوگوں کو اعتماد میں لیا جائے اور احساس محرومی کا ازالہ کیا جائے، اس کے بغیر شاید وہاں کے حالات اور امن و امان کی صورتحال بلوچستان اور نہ ہی پورے ملک میں درست ہو سکے گی۔ بہت بہت شکریہ جناب چیئرمین۔

Mr. Chairman: Do you want to take any more speaker now? Then we lay item No. 14, I think. Mr. Omar Ayub Khan, Minister of State for Finance may move item No. 14.

Mr. Omar Ayub Khan (Minister of State for Finance): Mr. Chairman, I would like to lay before the Senate the first Quarterly Report for the year, 2004-2005 of the Central Board of Directors of the State Bank of Pakistan on the State of Pakistan's Economy, as required under Section 9A(f) of the State Bank of Pakistan Act, 1956. Thank you Mr. Chairman.

Mr. Chairman: The report stands laid. Would you like to conclude now today? O.K. now for tomorrow the Question Hour, it is agreed, will be suspended, so there will be no need to print it and we will reconvene at 9.30 A.M.

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، جناب چیئرمین! ایک گزارش کرنی ہے۔ رضا صاحب سے میری بات ہوئی ہے جو items باقی رہتے ہیں، کل وہ ہم نے dispose of کرنے ہیں۔ آپ مہربانی فرمائیں گے کہ جو remaining items ہیں، دو دن سے defer ہو رہے ہیں یہ میں نے ان سے گزارش کی ہے اور انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ کل یہ بھی آئیں گے۔

Senator Mian Raza Rabbani: Not all of them.

میں نے ساروں کی بات نہیں کی ہے۔ کیونکہ اگر یہ سارے items ہم کل کرنے چلیں گے تو پھر

بحث conclude نہیں ہو پائے گی۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، ساروں سے مراد صرف دو items ہیں۔ ایک تو وہ rules ہیں جس کی ہم نے آٹھ کمیٹیاں بنائی ہیں۔

سینیٹر میاں رضا ربانی، وہ پھر کل نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، وہ report back ہو چکی ہے، سٹینڈنگ کمیٹی سے آچکی ہے۔ دوسرا تو simple lay کرنا ہے introduce کرنا ہے۔

سینیٹر میاں رضا ربانی، وہ contentious ہے۔

I raised it with you, how it was passed, item No.4, 5, 6 and 7. I raised this with you and I informed you that how without giving any notice the meeting of the committee was called and there were only three people who were present in the meeting, their quorum was there, the Opposition's point of view has not been taken into consideration and that was the reason, why in the first place you referred this to the committee that it would be discussed there.

Mr. Chairman: This was referred to the committee in the last session, I think.

Senator Mian Raza Rabbani: This was in the last session. Sir, if you recall I came to your office and brought it to your notice that on the 27th night at 9 O' clock we were informed that on the 29th at 10 O' clock was the meeting. I was here for another standing committee, I was going back to Karachi and I spoke to the Chairman of the committee on the 28th, I told him, he said, "I am under pressure from Islamabad to call this meeting and to have this through." I said the Opposition will not be able

to come and that is exactly what happened, there were just three members. There was probably Mr. Chatha there, Agha sahib was there and one other member.

Mr. Chairman: That is the required quorum.

Senator Mian Raza Rabbani: Just look at the quorum and no member from the Opposition was present and this was passed in haste. Professor sahib has got amendments, we have got amendments that we would like to move, so this cannot be taken up tomorrow.

Mr. Chairman: Can the amendments be handled?

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، جناب چیئرمین! میری یہ گزارش ہے کہ the honourable Leader of the Opposition is very much aware with this, only one Rule 107 is simple that the jurisdiction of the joint sitting has been ousted, mediating committee has been inducted through Article 71, therefore, two of the Bills have been referred to and there is no mediation committee and that was simple. It is a really redundant truth which does not need any consideration for that by the 17th amendment, therefore, is not of significance, important to be struck off.

جناب چیئرمین، ایک منٹ ایک ایک کر کے کر لیں۔ Do you have a different view on this?

(مداخلت)

جناب چیئرمین، ایسا کر لیں کہ Why don't you meet in my office at 9.00 tomorrow. Leader of the House بھی آجائیں۔ because وہ بھی اس میں involve تھے۔

You can meet in my office at 9.00. Let the Minister and the Leader of the House come, because he was also involved in it. We can decide at that time.

Senator Mian Raza Rabbani: Sir, we have meeting in the next week, heavens are not going to fall. We are in session in the next week.

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، آٹھ کمیٹیاں بننی ہیں، معزز ممبران نے اس کا ممبر بننا ہے۔

Senator Mian Raza Rabbani: This can not be done tomorrow.

جناب چیئرمین ، ایسا کریں کہ let us meet in my office at 9.00 and we can discuss it there.

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، نو بجے میں انشاء اللہ آجاؤں گا۔ یہ بھی آجائیں۔

جناب چیئرمین، رضا صاحب نو بجے آجائیں، وسیم صاحب کو بھی کہہ دیں۔

Senator Prof. Khurshid Ahmed: At 9.30 we will come to your office.

جناب چیئرمین، 9.30 کو تو session ہے اس لئے میں کہہ رہا تھا، یہ تو ہاؤس کے interest میں ہے، if it is passed, nothing wrong with it. کل صبح اس پر بات کر لیں گے۔ So the House is adjourned to re-convene at 9.30 tomorrow.

Senator Eng. Rukhsana Zuberi: Sir, I need a copy of World Bank Report, 2003 which Government of Pakistan asked them to prepare on the economy situation in Pakistan.

Mr. Chairman: Is it required to be tabled? It is a general document.

اس پر access ہونی چاہیے۔ میں آپ کو منگوا دوں گا۔

Thank you very much, the House is adjourned to meet tomorrow at 9.30.

[The House was then adjourned to meet again at 9.30 a.m on 4th February, 2005.]